نقشِ
حیات امام جعفر صادقؑ

ولادت : ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ
شہادت: ۲۵ شوال ۱۴۸ھ

نقشِ زندگانی امام جعفر صادق علیہ السلام

● ماہ ربیع الاول ۸۳ھ کی ۱۷ تاریخ تھی جب تاریخ عصمت کا دوسرا "آفتاب صداقت" مطلع انسانیت پر ظہور کر رہا تھا جس طرح کہ آج سے تقریباً ۱۲۵ سال پہلے اسی تاریخ کو سرکار دو عالمؐ کی ولادت باسعادت کے طفیل میں اس کائنات کو پہلے "آفتاب صداقت" کے مطلع انوار بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

● گویا نگاہِ قدرت میں ماہ ربیع الاول کی ۱۷ تاریخ صداقت کے لیے راس آگئی اور قدرت نے ہر صادق کو بھیجنے کے لیے اسی مبارک تاریخ کا انتخاب کیا اور اس طرح دادا اور پوتے کی تاریخ صداقت بھی متحد ہو گئی اور چوں کہ مسلک آل محمدؐ ذاتی افکار کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خدائی اخبار کا مجموعہ ہے اور اخبار کا دارو مدار مخبر کی صداقت ہی پر ہوا کرتا ہے لہذا مذہب کی حقانیت کا انحصار مخبر صادق کی صداقت پر قرار پاتا ہے اور اس طرح بہترین مذہب وہ مذہب قرار پائے گا جس کے اصول کا بیان نبی صادقؐ کے ذریعہ ہو، اور تشریحات وتفصیلات کے بیان کا کام امام صادقؑ سے متعلق کر دیا جائے۔

آپ کے والد کا اسم مبارک امام محمد باقر علیہ السلام تھا اور والدہ گرامی جناب ام فروہ تھیں جو جناب قاسم بن محمد بن ابی بکر کی صاحبزادی تھیں اور جن کے بارے میں خود امام صادقؑ کا بیان ہے کہ ان کا شمار ان افراد میں تھا جو صاحبان ایمان، نیک کردار اور پرہیز گار تھے اور جن سے اللہ نے محبت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ آپؑ کی تربیت جناب قاسم کی آغوش میں ہوئی جن کو مدینہ کے سات عظیم فقہاء میں شمار کیا جاتا تھا اور ان کی پرورش اس محمد کی آغوش میں ہوئی جن کے بارے میں امیر المومنینؑ نے فرمایا تھا کہ یہ اگرچہ ابو بکر کے صلب سے ہیں لیکن درحقیقت میرے فرزند کہے جانے کے قابل ہیں اور اس علیؑ کی فرزندی کا نتیجہ تھا کہ حاکم شام نے انھیں اتنی سخت سزا دی کہ گدھے کی

کھال میں بند کر کے زندہ جلوا دیا۔

● جناب ام فروہ کی ذاتی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے بائیں ہاتھ سے حجرِ اسود کو مَس کیا تو کسی شخص نے اعتراض کر دیا کہ یہ خلافِ سنت ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ انا لاغنیاء من علمك (ہم اس گھر کے افراد ہیں جو تیرے جیسے افراد کے علم سے مستغنی اور بے نیاز ہیں۔)

● امام صادقؑ کا اسم گرامی جعفر تھا جس کے معنی نہر کے ہیں اور جو جنت میں ایک وسیع نہر کا نام بھی ہے جس سے قدرت کی طرف سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ آپ کے علوم و کمالات سے ایک عالم سیراب ہونے والا ہے اور آپ کے علوم کی وسعتیں جنت کی نہروں جیسی ہیں اور آپ سے واقعی فیض حاصل کرنے والا گویا اہل جنت میں ہے۔

● کنیت ابو عبداللہ تھی اور القاب صابر، فاضل اور صادق وغیرہ تھے جن میں صادق کا لقب رسول اکرمؐ نے اس تذکرہ میں عطا فرمایا تھا جس میں اپنے بعد کے وارثوں اور جانشینوں کا تذکرہ فرما رہے تھے اور فرمایا تھا کہ میرے اس وارث کا لقب صادق ہوگا۔ (جلاء العیون) اور اس کا ایک راز یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اولادِ رسولؐ میں ایک شخصیت جعفر کذاب کی بھی پیدا ہو گئی جنھوں نے غلط دعویٰ امامت کر کے امام زمانہ سے مقابلہ کیا اور کذاب قرار پائے۔ اس لیے اس اشتباہ سے بچنے کے لیے آپ کو مسلسل صادق کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ اگرچہ دوسرے جعفر بھی بعد میں تواب قرار پا گئے لیکن عام طور سے ان کا تعارف اسی لقب سے ہوتا ہے جس سے اُن کے غلط دعویٰ پر روشنی پڑتی ہے چاہے بعد میں گناہ معاف ہی کیوں نہ ہو جائے۔

● آپ کے بارے میں آپ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ شکم اقدس میں برابر ماں سے کلام کیا کرتے تھے اور ولادت کے بعد بھی سب سے پہلے زبان مبارک پر کلمہ شہادتین جاری کیا اور ایک مرتبہ پھر واضح کر دیا کہ امام اسلام لاتا نہیں ہے اسلام لے کر آتا ہے۔

آپ کی انگشتری کا نقش "اللہ ولیّ وعصمتی من خلقہ"۔ "اللہ خالق کل شئ"۔ "انت ثقتی فاعصمنی من الناس"۔ "ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ استغفر اللہ"۔ (باختلاف روایات)

● آپ کی تاریخ ولادت کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ تاریخ سال کے ان چار اہم دنوں میں شامل ہے جس دن روزہ رکھنے کا بے حد ثواب قرار دیا گیا ہے اور جن میں ۱۷ ربیع الاول کے علاوہ

رکھے۔

● ولید کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اذان کی آواز سُن کر کنیز سے جماع کرنے میں مصروف ہوگیا اور جب مسلمان نماز پڑھانے کے لیے بلانے کے لیے آئے تو اسی کنیز کو اپنا لباس پہنا کر بھیج دیا اور مخلص مسلمانوں نے نہایت ہی "خضوع و خشوع" کے ساتھ کنیز کے پیچھے نماز پڑھ لی، اور یہ بات پھر واضح ہوگئی کہ بنی امیہ کے پرستاروں میں نہ اونٹ اور اونٹنی کی تمیز ہے اور نہ مرد اور عورت کی۔ یہ ہر کس و ناکس کو اپنا امام اور راہنما تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں بلکہ جو جس قدر بے دین ہوگا اتنا ہی بڑا خلیفۃ المسلمین اور ولی امرامت ہوگا۔

● امام جعفر صادقؑ کے چچازاد بھائی جناب یحیٰی بن زید کو اسی ظالم نے قتل کرایا تھا اور پھر ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا تھا اور آخر میں ایک مدّت کے بعد سولی سے اتروا کر نذرِ آتش کرا دیا تھا۔ اور اس طرح خلافت اسلامیہ کی بھی حقیقت واضح ہوگئی تھی اور خلیفۃ المسلمین کے حسد کی آگ بھی بُجھ گئی تھی۔

● ہشام بن عبدالملک کا دورِ حکومت آپ کی جوانی کا دورِ زندگی تھا جب آپ ہشام کی طرف سے وارد ہونے والے مصائب کا باقاعدہ مشاہدہ کر رہے تھے بلکہ بعض اوقات ان کا نشانہ بھی بن رہے تھے۔ ہشام انتہائی چالباز، کنجوس، سخت مزاج، خودسر، بداخلاق، لالچی اور شکی قسم کا انسان تھا۔ ذرا ذرا سے شبہ پر افراد کو تہ تیغ کرا دیا کرتا تھا۔ آلِ رسولؐ کا قتل عام اس کا خاص مشغلہ تھا چنانچہ اس نے ۱۰۵ھ سے ۱۲۰ھ تک خالد بن عبداللہ قسری کو عراق کا گورنر بنا کر رکھا جس نے ایک عام تباہی مچا دی اور اس قدر بے دینی پھیلائی کہ ہشام کو رسول اکرمؐ سے بہتر قرار دے دیا۔ (تاریخ کامل)

● ہشام نے حج کے موقع پر امام زین العابدینؑ کی عظمت کا مشاہدہ کیا تو جل کے رہ گیا۔ اور جب فرزدق نے آپ کی شان میں قصیدہ پڑھا تو انھیں مقام عسفان میں قید کرا دیا اور سخت سزا دی۔

● اسی شخص نے جناب زید کو شہید کرایا۔ ان کی لاش کو چار سال سولی پر لٹکا کر رکھا اور آخر میں لاش مبارک کو نذرِ آتش کرا دیا۔

● اسی ظالم نے امام باقرؑ کو جبراً مدینہ سے شام طلب کیا اور انھیں بے حد اذیت دی اس وقت امام صادقؑ بھی آپ کے ہم سفر تھے اور راستہ میں مرد راہب سے ملاقات کرکے اپنے کمالات کی بنیاد پر اسے مسلمان بنا لیا تھا۔

● اسی ہشام نے جناب زید کو کنیز زادہ کہہ کر طنز کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ جناب اسماعیل جو خود پیغمبر خدا تھے اور سرکار دو عالمؐ کے جد بزرگوار تھے وہ بھی تو جناب ابراہیم کی کنیز جناب ہاجرہ کے بطن سے تھے تو کیا ان کا مرتبہ کچھ کم ہو گیا یا وہ نبوت کے لائق نہیں رہ گئے۔

● منصور دوانیقی۔ بنی عباس کا دوسرا حکمراں تھا جس کی تدبیر اور تنظیم مملکت کے چرچے بہت ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جملہ مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ شخص انتہائی سفاک اور قاتل تھا اور یہی اس کا کمال تدبیر ہے کہ شبہات پر قتل کر دیا کرتا تھا یہاں تک کہ بنی ہاشم اور علویین کا کیا ذکر ہے۔ امام مالک کو صرف اس جرم میں کوڑے لگوا دیے کہ انھوں نے کسی وقت سادات کی حمایت کر دی تھی اور امام ابوحنیفہ کو جناب زید کی بیعت کی بنا پر قید کرا دیا اور آخر میں ۱۵۰ھ میں زہر دلوا دیا۔ سادات کو قتل کر دینا، دیواروں میں زندہ چنوا دینا، تعمیرات میں ان کے خون کا گارا استعمال کرنا تو منصور کے روزمرہ میں شامل تھا۔ اس ظالم کے ظلم کی انتہا تھی کہ سادات قید خانہ میں مر جاتے تھے تو ان کی لاش بھی باہر نہ نکلواتا تھا اور اس طرح قید خانہ کی فضا اور مکدر ہو جاتی تھی اور زندگی مزید دوبھر ہو جاتی تھی۔ لیکن سادات کرام نے ان حالات میں بھی زندگی گذاری اور تلاوت قرآن کے ذریعہ اوقات نماز کا تعین کرکے عبادت الٰہی میں زندگی بسر کرتے رہے۔

امام حسنؑ کی اولاد کا وجود منصور کے لیے ناقابل برداشت تھا چنانچہ جناب عبداللہ محض کے احتجاج کی بنا پر پہلے انھیں قید کر لیا۔ اس کے بعد ان کے دونوں فرزندوں کو قتل کرا دیا۔ جب نفس زکیہ نے منصور کے مظالم کو ناقابل برداشت قرار دے کر کوفہ میں قیام کیا اور ابراہیم نے مصر میں احتجاج کا پرچم بلند کیا تو ابتدا میں بعض لوگوں نے ساتھ بھی دیا اور ایک فوج بھی تیار ہو گئی لیکن آخر میں مقابلہ کی سختی میں فوج کام نہ آسکی اور دونوں اپنے لشکر کے درمیان قتل کر دیے گئے۔ سادات کرام کے حوصلے اس کے بعد بھی بلند رہے چنانچہ جناب عبداللہ محض

جنھوں نے صحرائیوں کی زندگی اختیار کرلی تھی اور ایک موقع پر اپنے بیٹوں سے ملاقات کر کے انھیں وصیت کی تھی کہ ذلّت کی زندگی سے عزّت کی موت بہتر ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر ان حضرات نے قیام کیا تھا۔ جب جناب عبداللہ محض کے سامنے ان کے فرزند محمد نفس زکیہ کا سر رکھا گیا اور انھوں نے نماز تمام کر کے اپنے فرزند کے سر کو دیکھا تو فرمایا شاباش! تو نے خدائی عہد کو پورا کیا اور تیری تلوار نے تجھے دنیا کی ذلّت سے بچالیا اور تیرے تقویٰ نے تجھے آخرت کے عذاب سے محفوظ کرلیا۔ اور یہ کہہ کر سر لانے والے سے فرمایا کہ منصور سے کہہ دینا کہ ہمارا کام تمام ہو چکا ہے۔ اب اس کے بعد تیری باری ہے اور انصاف بہرحال خدا کی بارگاہ میں ہوگا۔ اس کے بعد ایک ایسی سانس لی کہ دم نکل گیا اور اپنے بچوں کی قربانی پیش کر کے ان کے ہمراہ بارگاہ احدیت میں حاضر ہوگئے۔

● منصور کے وہ مظالم جن کی بنا پر ان حضرات نے قیام کو ضروری قرار دے لیا تھا۔ ان کا ایک معمولی منظر یہ تھا کہ اس نے مدینہ سے تقریباً ۷۰۔ حسنی سادات کو گرفتار کرایا اور ان کے گلے میں طوق اور پاؤں میں دُوہری زنجیریں ڈال کر انھیں مدینہ سے باہر نکالا جس کی خبر پاکر امام صادقؑ اس مقام تک آئے اور اس منظر کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ زار و قطار رونے لگے اور فرمایا کہ اب حرم خدا و رسولؐ کی حرمت بھی محفوظ نہیں رہ سکتی اور اس کے بعد ۲۰ دن تک بخار میں مبتلا رہے۔ آپ نے یہ بھی چاہا کہ اپنے چچا حضرت عبداللہ محض کے پاس جاکر انھیں اس حادثہ کی تعزیت پیش کریں لیکن ظالموں نے نہ جانے دیا اور اس طرح ایک دوسرے کے غم میں شرکت بھی نہ کرسکے۔

ظاہر ہے کہ ایسے ظالم اور جلّاد بادشاہ کی نگاہ میں جب سادات حسنی کے عام افراد کی زندگی ناقابل برداشت تھی تو امام جعفر صادقؑ تو بہرحال امام اور مجسمہ کمالات تھے اور ان کی شخصیت قوم کی نگاہ میں بے حد معزز اور محترم تھی۔ ان کا وجود منصور کی نگاہ میں کس طرح قابل برداشت ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اس نے بار بار آپ کو زہر دینے کی کوشش کی اور متعدد بار دربار میں اس قصد سے طلب کیا کہ آپ کی تذلیل کی جائے اور آخرکار قتل کر دیا جائے لیکن جب تک مصلحت الٰہی حیات سے وابستہ ہے کوئی کسی کی زندگی کا خاتمہ نہیں کرسکتا ہے اور جسے خدا عزّت دینا چاہتا ہے اسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا ہے۔

منصور نے ایک مرتبہ بغرض تذلیل طلب کیا تو دربار میں ایک مکھی بار بار منصور کی ناک پر

بیٹھ جاتی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر سوال کیا کہ آخر خدا نے اسے کیوں پیدا کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دنیا کے ظالم و جابر بادشاہوں کو ذلیل کرنے کے لیے تاکہ انھیں اپنی اوقات کا اندازہ ہو جائے اور یہ سمجھ لیں کہ ایسی ناتوانی اور بے کسی کے باوجود سارے عالم پر کس طرح ظلم و ستم کر رہے ہیں۔

دوسری مرتبہ حضرت کو طلب کیا تو کثیر تعداد میں جادوگر اکٹھا کر لیے جن کا مقصد یہ تھا کہ اپنے جادو سے امامؑ کی توہین و تذلیل کریں لیکن قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ آپ نے شیر قالین کی طرف اشارہ کر دیا اور اس نے مجسم ہو کر تمام جادوگروں کو نگل لیا جس کے بعد منصور نے آپ سے جادوگروں کو واپس کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر موسیٰؑ کے عصا نے جادوگروں کو واپس کر دیا ہوتا تو میں بھی واپس کر دیتا لیکن اب نہیں ہو سکتا ہے۔ (دمعہ ساکبہ)

گویا یہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ ہم وارث موسیٰ ہیں اور تو وارث فرعون۔ تو جو کل موسیٰ سے مقابلہ کرنے والوں کا حشر ہوا تھا وہ آج کے جادوگروں کا ہوا ہے، اور جو کل کے فرعون کا انجام ہوا تھا وہ عنقریب تیرا انجام ہونے والا ہے۔

● بعض اوقات تو منصور نے یہاں تک طے کیا کہ آپ کے گھر میں آگ لگا دی جائے تاکہ تمام افراد خانہ گھر کے اندر جل کر مر جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور گھر میں آگ لگ گئی۔ اصحاب نے بجھانے کی پوری کوشش کی لیکن حضرت نے کوئی توجہ نہ کی اور آخر میں آگ سے خطاب کر کے فرمایا کیا تجھے نہیں معلوم ہے کہ انا ابن ابراهیم الخلیل (میں ابراہیم خلیل کا فرزند ہوں)۔ تیری کیا مجال ہے کہ مجھے یا میرے گھر والوں کو جلا سکے۔ چنانچہ آگ تھم گئی اور آپ نے دامن قبا کی ہوا دے کر اسے گلزار بنا دیا۔ (تذکرۃ المعصومین)

● منصور نے ایک مرتبہ سو جاہل اور گنوار افراد کو دربار میں اکٹھا کیا کہ حضرت صادقؑ کے آتے ہی ان پر حملہ کر دیں اور ان کا خاتمہ کر دیں۔ لیکن قدرت کا انتظام کہ جب حضرت تشریف لائے تو سب تلواریں پھینک کر قدموں پر گر پڑے اور منصور نے خطرہ کا احساس کر کے آپ کو راتوں رات وطن واپس کر دیا اور پھر زہر دلوا دیا۔ (دمعہ ساکبہ)

ایک مرتبہ منصور نے حضرت سے یہ تقاضا کیا کہ آپ مجھ سے خوف زدہ کیوں نہیں ہوتے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہ میرے پاس دنیا ہے جس کا خوف ہو اور نہ تیرے پاس آخرت ہے جس کی امید ہو۔

اس نے کہا کہ آپ میرے ساتھ رہیں اور نصیحت کرتے رہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جسے آخرت عزیز ہو گی وہ تیرے ساتھ نہ رہے گا اور جسے دنیا عزیز ہو گی وہ تجھے نصیحت نہ کرے گا۔ (حیاۃ الامام موسیٰ کاظمؑ)

● منصور کے بار بار دربار میں طلب کرنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ امام قوم کے سامنے آتے رہے اور لوگ ان کے حالات اور کمالات سے باخبر ہوتے رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے حضرت کو ایک ہندی طبیب کی موجودگی میں طلب کیا اور اس نے رعب جمانے کے لیے تقریر شروع کردی۔ آپ نے فرمایا کہ میں طب تجھ سے بہتر جانتا ہوں مجھے مرعوب کرنے کی کوشش نہ کر۔ اس نے کہا کہ آپ کیا جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ طب کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ مرض کا علاج اس کی ضد سے کرو۔ گرمی کا علاج سرد چیزوں سے اور سردی کا علاج گرم چیزوں سے۔ اس کے بعد امراض کا مرکز معدہ ہے لہذا پہلے اس کی اصلاح کرو اس کے بعد کسی علاج کی فکر کرو، اور تیسری بات یہ ہے کہ بہترین علاج پرہیز ہے۔

طبیب ہندی نے آپ کی بات کی تائید کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ علم کتاب نہیں ہے، یہ عطائے پروردگار ہے۔ اس کے بعد آپ نے طبیب سے حسب ذیل سوالات کیے:

(۱) آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہ سر میں کیوں ہے؟ (۲) بال سر پر کیوں ہیں؟ (۳) پیشانی پر بال کیوں نہیں ہیں؟ (۴) پیشانی پر شکن کیوں ہے؟ (۵) دونوں پلکیں آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں؟ (۶) ناک دونوں آنکھوں کے درمیان کیوں ہے؟ (۷) آنکھیں بادامی شکل کی کیوں ہیں؟ (۸) ناک کا سوراخ نیچے کی طرف کیوں ہے؟ (۹) منہ پر دو ہونٹ کیوں بنائے گئے ہیں؟ (۱۰) سامنے کے دانت تیز اور داڑھ چوڑی کیوں ہے اور ان دونوں کے بیچ میں لمبے دانت کیوں ہیں؟ (۱۱) دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی کیوں ہیں؟ (۱۲) مردوں کے داڑھی کیوں ہوتی ہے؟ (۱۳) ناخن اور بال میں جان کیوں نہیں ہوتی ہے؟ (۱۴) دل صنوبری شکل کا کیوں ہے؟ (۱۵) پھیپھڑے کے دو حصے کیوں ہوئے اور وہ اپنی جگہ کیوں حرکت کرتا ہے؟ (۱۶) جگر کی شکل محدب کیوں ہے؟ (۱۷) گردے کی شکل لوبیے کے دانے کی طرح کیوں ہے؟ (۱۸) گھٹنے آگے کو کیوں جھکتے ہیں پیچھے کو کیوں نہیں جھکتے؟ (۱۹) دونوں پاؤں کے تلوے بیچ سے خالی کیوں ہیں؟۔

طبیب ہندی ان سوالات کو سن کر مدہوش ہو گیا کہ ان کا تعلق فن طب سے نہیں ہے بلکہ

اسرارِ خلقت اور رموزِ کائنات سے ہے اور رموزِ کائنات کو نمائندہ خالقِ کائنات کے علاوہ کوئی نہیں بتا سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے امامؑ سے ان سوالات کے جوابات کا تقاضا کر دیا۔ اور آپ نے بالترتیب اس طرح جوابات بیان فرمائے:

(۱) سر آنسوؤں اور رطوبتوں کا مرکز نہ ہوتا تو گرمی کی شدت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ (۲) بال سر پر نہ ہوتے تو تیل وغیرہ جڑوں تک نہ پہونچ سکتا اور دماغ سردی اور گرمی سے محفوظ نہ ہو سکتا۔ (۳) پیشانی بالوں سے اس لیے خالی ہے کہ اس جگہ سے آنکھوں تک نور پہونچتا ہے۔ (۴) پیشانی پر شکنیں اس لیے ہیں تاکہ آنکھیں پسینہ وغیرہ سے محفوظ رہیں۔ (۵) پلکیں اس لیے بنائی گئی ہیں تاکہ تمازتِ آفتاب بقدرِ ضرورت اثر کر سکے اور سونے میں بھی سہولت ہو۔ (۶) ناک دونوں آنکھوں کے درمیان اس لیے ہے تاکہ نور دو حصوں میں تقسیم ہو کر آنکھوں تک پہونچے۔ (۷) آنکھیں بادامی شکل کی اس لیے ہیں کہ سرمہ وغیرہ کا استعمال آسانی سے ہو سکے۔ (۸) ناک کا سوراخ نیچے کی طرف اس لیے ہے تاکہ رطوبتیں آسانی سے خارج ہو جائیں۔ (۹) ہونٹ اس لیے بنائے گئے ہیں کہ اوپر سے آنے والی رطوبتیں دہن کے اندر نہ جانے پائیں اور منھ میں غذا رک سکے۔ (۱۰) ڈاڑھی مردوں کو اس لیے دی گئی تاکہ مرد اور عورت میں امتیاز قائم ہو سکے۔ (۱۱) اگلے دانت اس لیے تیز ہیں تاکہ چیز کا کاٹنا آسان ہو، اور ڈاڑھ اس لیے چوڑی ہے تاکہ غذا کا پیسنا آسان ہو، اور دونوں کے درمیان کے دانت اس لیے لمبے ہیں کہ دونوں کو سنبھال کر رکھیں۔ (۱۲) ہتھیلیوں پر بال اس لیے نہیں ہیں تاکہ چھونے میں اور سختی اور نرمی کا اندازہ کرنے میں آسانی ہو۔ (۱۳) بال اور ناخن میں جان اس لیے نہیں ہے کہ انھیں بار بار کاٹنا پڑتا ہے۔ (۱۴) دل صنوبری شکل کا اس لیے ہے کہ پھیپھڑے میں بآسانی داخل ہو سکے اور اس کی ہوا سے ٹھنڈک پاتا رہے۔ (۱۵) پھیپھڑے کے دو حصے اس لیے ہیں تاکہ دل ان کے درمیان رہے۔ (۱۶) جگر محدب اس لیے ہے تاکہ باقاعدہ معدے کے اوپر رہے اور اپنی گرانی اور گرمی سے غذا کو ہضم کرتا رہے۔ (۱۷) گردہ لوبیے کی شکل کا اس لیے ہے کہ منی پشت کی جانب سے اس میں آتی ہے اور اس کے پھیلنے اور سکڑنے سے آہستہ آہستہ نکلتی ہے۔ (۱۸) گھٹنے پیچھے کی طرف اس لیے نہیں جھکتے ہیں کہ چلنے میں آسانی ہو ورنہ آدمی چلتے وقت گر پڑتا۔ (۱۹) دونوں پیروں

کے تلوے اس لیے خالی ہیں تاکہ دونوں کناروں پر بوجھ پڑنے سے پیر آسانی سے اُٹھ سکیں، ورنہ سارے بدن کا بوجھ اُٹھانا مشکل ہو جاتا۔

طبیب ہندی نے ان جوابات کو سننے کے بعد حیرت سے پوچھا کہ آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے جد بزرگوار سے، اور انھوں نے رسول اکرمؐ سے لیا ہے اور انھوں نے رب العالمین سے حاصل کیا ہے۔

یہ سُننا تھا کہ اس نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد کہا کہ بے شک آپ تمام اہل زمانہ سے زیادہ علم کے مالک ہیں۔

اخلاق امامؑ

آپ کے اخلاق کریمانہ کا ایک نمونہ یہ ہے کہ آپ نے ایک غلام کو کسی کام کے لیے بھیجا۔ جب واپسی میں تاخیر ہوئی تو اس کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا ایک مقام پر سو رہا ہے۔ آپ نے جگانے کے بجائے اس کے سرہانے بیٹھ کر پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھ کھُل گئی تو بے حد پشیمان اور پریشان ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ دن کام کرنے کے لیے اور رات سونے کے لیے ہے۔ آئندہ اس کا خیال رکھنا۔ (مناقب)

دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ جب غلاموں نے قحط کے آثار دیکھ کر غلہ جمع کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ غلہ فروخت کر دیا جائے اور جس طرح سب زندگی گذاریں اسی طرح زندگی گذاری جائے، اور اس کے بعد فرمایا کہ جَو اور گندم ملا کر روٹی پکائی جائے تاکہ دوسرے افراد کے درد وغم میں شرکت کرنے کا موقع ملے۔

باغ میں غلاموں کے ساتھ خود بھی کام کرتے تھے اور جب کسی نے منع کیا تو فرمایا کہ طلب معاش میں زحمت برداشت کرنا عیب نہیں ہے باعثِ اجر و ثواب ہے۔

دلائلِ امامتؑ

اعترافات

حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے افضل اور اکمل ہونے کی بنا پر اپنے پدر بزرگوار کے جانشین قرار پائے ــــ (ابن حجر مکی)

آپ سادات اہلبیتؑ میں تھے اور آپ کی فضیلت کسی بیان کی محتاج نہیں ہے۔ (ابن خلکان)

آپ اپنے آبا، واجداد کی طرح معصوم اور محفوظ تھے ــــ (سید علی ہمدانی)

آپ نے ابتدا سے انتہا تک کوئی گناہ نہیں کیا ہے اور اسی لیے آپ کو معصوم کہا جاتا ہے۔

ــــ (دراسات اللبیب)

آپ اہلبیتؑ کی عظیم ترین فرد تھے اور مختلف علوم کے مکمل ماہر تھے۔ قرآنی مطالب کا سرچشمہ تھے اور بحر علم اور مظہر عجائب تھے ــــ (ابن طلحہ شافعی)

آپ بارہ اماموں میں بڑے ثقہ، فقیہ اور حافظ تھے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے شیخ حدیث ہیں ــــ (علامہ وحید الزماں حیدر آبادی)

آپ سے یحییٰ بن سعید، ابن جریح، امام مالک، امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابوحنیفہ، ایوب جیسے ائمہ حدیث نے حدیث اخذ کی ہے ــــ (علامہ شبلنجی)

ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا ہے جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے معاصر اور ہم عصر تھے اس لیے

ان کی شاگردی کیوں کر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت۔ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھروں سے نکلے ہیں اور صاحب البیت ادریٰ بما فیہ۔

(علامہ شبلی سیرۃ النعمان)

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں آئندہ اور گذشتہ کا علم اور الہام کی صلاحیت اور ملائکہ کی باتیں سننے کی طاقت دی گئی ہے۔ (شواہد النبوۃ جامی)

استاد اعظم جابر بن حیان بن عبد اللہ کوفہ میں پیدا ہوا۔ اوائل عمر میں طبیعیات کی تعلیم اچھی طرح حاصل کر لی اور امام جعفر صادقؑ ابن امام محمد باقرؑ کے فیض صحبت سے خود امام ہو گیا۔

(انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک ہسٹری)

حضرت امام جعفر صادقؑ کے مقالات علم کیمیا اور علم جفر و فال میں موجود ہیں اور آپ کے شاگرد تھے جابر بن حیان صوفی طرسوسی جنھوں نے ہزار ورق کی ایک کتاب تالیف کی تھی جس میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا۔ (وفیات الاعیان ابن خلکان)

جابر بن حیان نے امام جعفر صادقؑ کے پانچ سو رسائل کو جمع کر کے ایک کتاب ہزار صفحہ کی تالیف کی تھی۔ (دائرۃ المعارف القرآن الرابع عشر علامہ فرید وجدی)

مختصر یہ ہے کہ تمام ائمہ طاہرینؑ کے اصحاب کی مجموعی تعداد تقریباً ساڑھے چار ہزار ہے جس میں سے چار ہزار صرف امام صادقؑ کے اصحاب ہیں جن کا ذکر کتابوں میں موجود ہے اور اسی طرح اصحاب ائمہؑ میں مصنفین کی تعداد تقریباً تیرہ سو ہے جن میں سے اکثریت امام صادقؑ کے اصحاب کی ہے۔ آپ کے چار سو اصحاب نے چار سو اصول تیار کیے تھے جن کو بعد میں جوامع حدیث میں یکجا کر دیا گیا اور پھر ایک ایک صحابی نے متعدد کتابیں تالیف کی ہیں۔ مثال کے طور پر فضل بن شاذان نے ۱۸۰ کتابیں تالیف کی ہیں اور یہ صدر اسلام کے قریب کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے جو اصحاب ائمہ نے جمع کیا ہے اور جس کی مثال کسی فرقہ یا مذہب کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

مصنفین کے علاوہ حافظین احادیث میں جناب جابر جعفی ۷۰ ہزار احادیث کے حافظ تھے۔ ابان بن تغلب کوفی کو ۳۰ ہزار حدیثیں حفظ تھیں، اور اسی طرح دیگر اصحاب کا عالم تھا جن کے بارے

میں امام صادقؑ نے فرمایا تھا کہ یہ چار افراد نہ ہوتے تو میرے باپ کی فقہ ختم ہو جاتی۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ قریب والوں سے زیادہ استفادہ دور والوں نے کیا اور جس طرح رسول اکرمؐ کی صحبت میں فارس سے آنے والا سلمان تمام اصحاب پر سبقت لے گیا۔ اسی طرح امام صادقؑ کے اصحاب میں زرارہ بن اعین کی حیثیت ہے۔ جن کے دادا بلاد روم کے ایک مقدس راہب تھے اور انھوں نے امام کی خدمت میں آکر بے پناہ عظمت حاصل کر لی اور مختلف کتابوں کے مصنف بھی قرار پا گئے۔

یہ بات بھی انتہائی افسوسناک ہے کہ ان تمام فضائل و کمالات اور معلومات و اعترافات کے باوجود امام بخاری نے آپ کی حدیثوں کو اپنی کتاب بخاری میں جگہ نہیں دی جب کہ اس میں مروان اور عمران بن حطان خارجی جیسے افراد کی روایتیں موجود ہیں اور انھیں ثقہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ اور اس سے بدتر بات یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان نے یہاں تک گستاخی کر دی ہے کہ میرے دل میں امام جعفر صادقؑ کی طرف سے کچھ شبہ ہے اور میری نظر میں مجالد ان سے زیادہ محبوب ہے جب کہ بقول علامہ وحید الزماں "امام صادقؑ کے مقابلہ میں مجالد کی کیا حیثیت ہے اور ان کو امامؑ سے کیا نسبت ہے۔ درحقیقت ایسے ہی گستاخانہ بیانات سے اہلسنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو ائمہ اہلبیتؑ سے کچھ محبت اور عقیدت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے کہ مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انھوں نے روایت کی ہے اور امام جعفر صادقؑ سے جو ابن عم رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔" (انوار اللغۃ طبع حیدر آباد دکن)

● ابو حنیفہ، محمد بن الحسن آپ کے شاگرد، ابو یزید طیفور آپ کے سقاء، اور ابراہیم بن ادہم اور مالک بن دینار جیسے افراد آپ کے غلام تھے۔

کرامات

آپ کے کرامات دو طرح کے ہیں۔ بعض کا تعلق علم و معرفت سے ہے جن کا ظہور مناظروں اور مباحثوں کی شکل میں ہوا ہے اور بعض کا تعلق عملی دنیا اور ظہور عجائب و غرائب سے ہے جنھیں عرف عام میں معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امامؑ کی زندگی میں دونوں طرح کے

کرامات بے مثل و بے نظیر ہیں جن کی مثال پیش کرنا ناممکن ہے۔ مثال کے طور پر علمی اعتبار سے۔

● عبدالملک بن مروان کے دربار میں ایک قدری عالم آیا جس کا نظریہ یہ تھا کہ انسان اپنے معاملات میں بالکل آزاد ہے اور خدا کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس نے اپنے دعویٰ پر ایسے دلائل پیش کیے کہ تمام اہل علم عاجز رہ گئے۔ آخر میں عبدالملک نے مدینہ سے امام باقرؑ کو طلب کیا۔ آپ نے امام صادقؑ کو بھیج دیا۔ عبدالملک نے اعتراض کیا کہ یہ ان کے بس کا کام نہیں ہے۔ آپ نے اُس شخص سے خطاب کر کے فرمایا کہ تجھے سورۂ حمد یاد ہے۔ اس نے تلاوت شروع کر دی۔ جب ایاک نعبد و ایاک نستعین پر پہونچا تو آپ نے فرمایا کہ اگر خدا کے اختیار میں کچھ نہیں ہے تو اس سے مدد مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ قدری مدہوش ہو گیا اور مجلس مناظرہ برخاست ہو گئی۔ (تفسیر برہان)

● ابوشاکر دیصانی نے آپ سے وجود خدا پر دلیل طلب کی تو آپ نے ایک انڈے کا حوالہ دیا کہ یہ ایک بند قلعہ ہے جس کے اندر دو متضاد قسم کی چیزیں ہیں لیکن ایک دوسرے کو متاثر نہیں کرتی ہیں اور پھر کسی کے داخلہ کے بغیر اس کے اندر سے بچے بھی نکل آتے ہیں تو اگر کوئی خدا نہیں ہے تو ان بچوں کا خالق کون ہے اور انڈے کی اس حیثیت کا محافظ کون ہے۔ (اصول کافی)

● ابوحنیفہ نے اپنے کمال علم کا اظہار کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ ذرا یہ تو بتاؤ کہ آنکھ میں نمک، کان میں تلخی، ناک میں رطوبت اور لبوں میں شیرینی کیوں ہے؟

پھر وہ کون سا کلام ہے جس کی ابتدا کفر ہے اور انتہا اسلام؟

پھر عورت کے یہاں حیض اور حمل جمع کیوں نہیں ہوتے ہیں؟

ابوحنیفہ نے اپنی عاجزی کا اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا کہ آنکھ میں نمکینی نہ ہوتی تو حدقۂ چشم بہہ جاتا۔ کان میں تلخی نہ ہوتی تو کیڑے مکوڑے داخل ہو جاتے اور ناک میں رطوبت نہ ہوتی تو سانس کی آمد و رفت مشکل ہو جاتی اور خوشبو اور بدبو کا احساس نہ ہو سکتا، لبوں میں شیرینی نہ ہوتی تو کسی شے کے ذائقہ کا احساس نہ ہوتا۔

وہ کلام جس کی ابتدا کفر ہے اور انتہا اسلام ہے وہ کلمۂ توحید ہے کہ اس میں لا الہ کفر ہے اور الا اللہ اسلام۔

عورت کے یہاں حیض وحمل کا اجتماع اس لیے نہیں ہوتا ہے کہ خون کا رخ بچہ کی طرف پھیر دیا جاتاہے اور اسی سے اس کی غذا فراہم کی جاتی ہے۔

عملی کرامات

آپ کے اظہار عجائب وغرائب سے متعلق کرامات کی چند مثالیں یہ ہیں:

● ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ حکیم ابن عیاش کلبی آپ کی ہجو کرتا ہے اور اس نے اپنے اشعار میں زید شہید کو بُرا بھلا کہا ہے اور عثمان کو حضرت علیؑ سے بہتر قرار دیا ہے۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ خدایا! اس پر کسی جانور کو مسلط کر دے۔ چنانچہ ایک شیر نے اس کا خاتمہ کر دیا اور حضرت نے خبر پاتے ہی سجدہ شکر ادا کیا کہ خدا نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا۔ (شواہد النبوۃ)

● ابو بصیر حمام کی طرف غسل کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک جماعت کو دیکھا جو حضرت کی زیارت کے لیے جا رہی تھی۔ سوچا کہ پہلے زیارت کر لیں اس کے بعد غسل کریں گے۔ جیسے ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ نبی اور امام کے گھر میں ایسی حالت میں نہیں جانا چاہیے (غسل مقدم ہے جو آداب زیارت میں بھی شامل ہے)۔

● یونس بن ظبیان سے آپ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کے خزانے ہمارے اختیار میں ہیں اور یہ کہہ کر ایک ٹھوکر ماری اور زمین سے ایک ڈبہ سونے سے بھرا ہوا نکال دیا۔ یونس نے کہا کہ حضور ان اختیارات کے باوجود چاہنے والے پریشان رہتے ہیں۔ فرمایا کہ ان کے لیے یہ دنیا نہیں ہے جنت ہے۔

● ۱۱۳ھ میں آپ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھنے والے نے دیکھا کہ آپ کوہ ابو قبیس پر بیٹھے ہوئے بارگاہ احدیت میں محو مناجات ہیں یا حی یا حی، یا رحیم یا رحیم، یا ارحم الراحمین یا ارحم الراحمین۔ اور یہ سب کہنے کے بعد عرض مدعا کیا کہ خدایا! مجھے غذا کے لیے انگور چاہیے اور لباس کے لیے ایک چادر درکار ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک انگور کی ٹوکری اور ایک چادر کا نزول ہوا تو میں نے کہا کہ میں نے آپ کی دعا پر آمین کہی تھی لہٰذا میرا بھی حق ہے تو آپ نے مجھے بھی شامل کر لیا۔ اور خدا گواہ ہے کہ میں نے زندگی میں کبھی ایسے

انگور نہ دیکھے تھے۔ چادر کے لیے میں نے عرض کی کہ مجھے ضرورت نہیں ہے لیکن اس کے بعد جب مقام سعی کی طرف بڑھے تو ایک سائل نے چادر کا سوال کر لیا اور آپ نے اسے بھی دے دیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کون صاحب کرامت بزرگ ہیں ؟ ۔ تو اس نے کہا یہ حضرت جعفرؑ بن محمدؑ الصادقؑ ہیں۔ (کشف الغمہ۔ مطالب السئول)

● ایک شخص نے آپ سے معجزہ جناب ابراہیم کے بارے میں سوال کیا کہ انھوں نے کن طیور کو ذبح کر کے زندہ کیا تھا تو آپ نے طاؤس، غراب، باز اور کبوتر کو آواز دی اور جب سب اکٹھا ہو گئے تو انھیں ذبح کر دیا اور پھر ٹکڑے ٹکڑے کر کے اجزاء کو منتشر کر دیا اور پھر آواز دی تو سارے ٹکڑے یکجا ہو گئے اور آپ نے واضح کر دیا کہ ہم ابراہیم خلیلؑ کے وارث ہیں۔ رب العالمین نے ہمیں بھی اسی کمال سے سرفراز فرمایا ہے۔ (شواہد النبوۃ)

● ایک شخص نے حج میں جاتے ہوئے حضرت کو دس ہزار درہم دیے کہ میری واپسی تک میرے لیے ایک مکان کا بندوبست کر دیجئے گا۔ آپ نے واپسی پر اسے بتایا کہ میں نے جنت میں انتظام کر دیا ہے اور حدود اربعہ لکھ کر دے دیے۔ اس نے اس پرچہ کو قبر میں رکھنے کی وصیت کر دی مرنے کے بعد دوسرے دن قبر پر وہی پرچہ دیکھا گیا جس میں دوسری طرف لکھا تھا کہ حضرت جعفرؑ بن محمدؑ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔

شہادت

یہ بات تقریباً متفق علیہ ہے کہ آپ کی شہادت زہر دغا سے ہوئی ہے اور آپ کو منصور دوانیقی نے زہر دلوایا ہے جس کی کوشش متعدد بار کی گئی لیکن جب وقت آگیا تو زہر نے اپنا اثر کر دیا اور آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اگرچہ بعض مورخین نے منصور کو بری کرنے کے لیے یوں تحریر کیا ہے کہ آپ کی شہادت منصور کے زمانہ میں ہوئی ہے۔

بہر حال ماہ شوال کی ۱۵ تاریخ ۱۴۸ھ دوشنبہ کا دن تھا جب آپ اس عالم فانی سے رخصت ہوئے اور جنۃ البقیع میں سپرد خاک کیے گئے۔ عمر مبارک ۶۵ سال تھی جو دنیا سے رخصت ہو جانے والے تمام معصومین میں سب سے طویل ترین عمر ہے۔ اس کے بعد امام زمانہؑ کے علاوہ کسی کی طویل عمر

نہیں ہے۔ وہ بحکم پروردگار زندہ ہیں اور اس وقت تک رہیں گے جب تک ظلم وجور سے بھری ہوئی دنیا عدل وانصاف سے معمور نہ ہو جائے۔

● آپ کے آخر وقت کا یہ واقعہ قابلِ توجہ ہے کہ آپ نے تمام اہلِ خانہ اور اعزاء واولاد کو جمع کر کے یہ وصیت فرمائی کہ "ہم اہلبیتؑ کی شفاعت نماز کو ہلکا اور معمولی سمجھنے والے تک نہیں جاسکتی ہے"۔ جو نماز کی اہمیت، آلِ محمدؐ کے اہتمام بندگی، شفاعت کے واقعی مفہوم، تشیع کے مکمل تعارف اور کردار سازی کے بہترین سامان کی حیثیت رکھتی ہے۔

ازواج واولاد

شیخ مفید علیہ الرحمہ کے بیان کے مطابق آپ کی اولاد دسؔ تھی:

اسماعیل، عبداللہ، ام فروہ ۔۔ ان تینوں کی والدہ جناب فاطمہ بنت حسینؑ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب تھیں۔

اسحاق، محمد، امام موسیٰ کاظمؑ ۔۔ ان حضرات کی والدہ حمیدہ مصفاۃ تھیں جنھیں رب العالمین نے تمام عیوب سے پاک وپاکیزہ رکھا تھا۔

عباس، علی، اسماء، فاطمہ ۔۔ ان سب کی والدہ الگ الگ ام ولد تھیں جنھیں ان کی والدہ بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

ایک وضاحت

آپ کے سب سے بڑے فرزند جناب اسماعیل تھے جو آپ کی نظر میں بے حد عزیز اور محترم تھے اور انھیں اسباب کی بنا پر بہت سے افراد کا یہ خیال تھا کہ آپ کے بعد امامت انھیں کا حصہ ہے لیکن ان کا انتقال حضرتؑ کی زندگی ہی میں ہو گیا اور آپ نے اس حادثہ پر بے حد رنج وغم کا اظہار کیا اور جنازہ کو مدینہ لاکر بقیع میں دفن کرایا۔ خود جنازہ کے ہمراہ پا برہنہ چلے اور مختلف مقامات پر جنازہ کو روک کر لوگوں کو اسماعیل کی زیارت کرائی تاکہ کسی کو ان کی وفات میں شبہ نہ رہ جائے۔ اور دفن کے بعد بھی بعض لوگوں کو رقم دی کہ اسماعیل کی طرف سے حج نیابت کریں

تاکہ یہ بھی ان کی وفات کا ایک ثبوت بن جائے۔ لیکن ان تمام تاکیدات کے باوجود عالم اسلام میں بکثرت ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو اسماعیل کی امامت کے قائل ہیں اور ان کے بعد سلسلۂ امامت کو امام موسیٰ کاظم کی طرف واپس کرنے کے بجائے اسماعیل کی اولاد کی طرف لے جانا چاہتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اسماعیل کے انتقال کے بعد ان کے فرزند محمد امام ہوئے اور یہ سلسلہ ان کی نسل میں ابھی تک باقی ہے۔۔ اور بعض افراد خود جناب اسماعیل کی کی زندگی کے قائل ہیں۔

دیار مغرب میں جن فاطمی سلاطین کی حکومت قائم ہوئی ان کا تعلق بھی نسل اسماعیل ہی سے تھا اور ان کے پہلے بادشاہ کا نام عبیداللہ محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن الامام جعفر الصادقؑ تھا اور ان کا لقب مہدی باللہ تھا۔ ان حضرات نے بنی عباس کے دور میں ۲۷۰ سال حکومت کی ہے جس کا سلسلہ معتمد اور معتضد کے دور سے شروع ہوا تھا جو تقریباً غیبت صغریٰ کا زمانہ تھا۔ ان بادشاہوں کی تعداد چودہ ہے اور انھیں اسماعیلیہ یا عبیدیہ کہا جاتا ہے۔

قاضی نور اللہ شوستری کا ارشاد ہے کہ قرامطہ اسماعیلیہ کے علاوہ ایک جماعت ہے۔ بعض بنی عباس کے نمک خواروں اور ہواخواہوں نے فاطمیین کو بدنام کرنے کے لیے قرامطہ کو بھی اسماعیلیہ میں شامل کر دیا ہے حالانکہ دونوں کا کوئی ربط نہیں ہے۔

امیرالمومنینؑ نے اپنے خطبوں میں غیب کے اخبار بیان کرتے ہوئے عبیداللہ کی مغرب میں حکومت کا ذکر فرمایا تھا اور انھیں صاحب بدار کی اولاد میں قرار دیا تھا۔ صاحب بدا سے مراد جناب اسماعیل تھے جن کی امامت کے بارے میں بدار واقع ہوا تھا یعنی لوگوں کا خیال تھا کہ امامت ان کا حق ہے۔ لیکن ان کے انتقال سے امامت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گئی نہ یہ کہ وہ واقعاً امام تھے اور بعد میں خدا کی رائے بدل گئی اور اس نے انھیں معزول کر کے یا موت دے کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو امام بنا دیا۔ اس قسم کا بدار بندوں کے علوم اور اعمال میں تو ہو سکتا ہے لیکن خدا کے علم و عمل میں اس قسم کے بدار کا کوئی امکان نہیں ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ امور کائنات میں بدار کی وہی حیثیت ہے جو احکام میں نسخ کی ہوتی ہے کہ جس طرح خدا احکام کو منسوخ کر دیتا ہے تو اس کا مطلب رائے کی تبدیلی یا پشیمانی نہیں

ہوتا ہے بلکہ حکم کی میعاد کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح جب مسائل کائنات میں بداء واقع ہوتا ہے تو اس کا مطلب حقائق کی تبدیلی نہیں ہوتا ہے بلکہ حقائق کا اظہار ہوتا ہے جس کا تصور قبل سے لوگوں کے ذہن میں نہیں ہوتا ہے اور لوگ اس کے خلاف کا تصور یا عقیدہ رکھتے ہیں اور بعد میں حقیقت کا اظہار کر دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اصحاب کرام

امام جعفر صادقؑ کے مدرسہ تربیت کے طلاب کی تعداد چار ہزار (۴۰۰۰) سے بھی زیادہ ہے اور اس میں بڑے بڑے ائمہ امت کے نام بھی شامل ہیں۔ لیکن وہ اصحاب کہ جنھوں نے امامؑ سے باقاعدہ کسب فیض کیا ہے اور آخر دم تک جادۂ حق پر قائم رہے ہیں ان کی تعداد اس سے یقیناً کم ہے۔ اگر چہ یہ تعداد بھی بہت بڑی ہے اور اس میں بعض نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان قابل ذکر افراد میں بھی بعض وہ افراد ہیں جن کا شمار امام محمد باقرؑ کے اصحاب میں بھی ہوتا ہے، بلکہ وہ انھیں کے اصحاب میں شمار کیے جاتے ہیں اور بعض کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ امام صادقؑ کے اصحاب میں کیا جاتا ہے۔ اس لیے ذیل میں صرف دوسری قسم کے چند نمائندہ اسماء گرامی کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ ابان بن تغلب

کوفہ کے رہنے والے تھے۔ قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتے تھے اور انتہائی ثقہ قسم کے انسان تھے جو علم قرأت میں ان کا اپنا ایک مقام تھا اور ان کی اپنی ایک قرأت تھی جو قرّاء کے درمیان مشہور ہے۔ انھوں نے امام سجادؑ سے بھی کسب فیض کیا ہے لیکن امام باقرؑ نے انھیں اپنے دور میں حکم دیا تھا کہ مسجد میں بیٹھ کر فتویٰ دیں کہ میں اپنے اصحاب میں ان جیسے افراد کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے امام جعفر صادقؑ سے تیس ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں امام کی طرف سے مناظرہ کرنے پر بھی مامور تھے تاکہ احقاق حق کا سلسلہ برقرار رہے۔ ۱۴۱ھ میں وفات پائی اور امام صادقؑ نے ان کی وفات پر انتہائی حزن والم کا اظہار فرمایا۔ روایات میں ہے کہ ابان مدینہ آجاتے تھے تو مسجد مدینہ طالبان علوم و روایات کے مجمع سے پُر ہو جاتی تھی اور ہر شخص ابان کی زبان سے

احادیث سننے کا مشتاق رہا کرتا تھا۔

۲۔ اسحاق بن عمار صیرفی کوفی

شیوخ احادیث میں شمار ہوتے تھے اور انتہائی درجہ کے مرد ثقہ تھے۔ ان کے بھائی یونس، یوسف، اسماعیل، قیس اور ان کے بھتیجے علی و بشیر فرزندان اسماعیل بھی سب محدثین کے درمیان نمایاں افراد میں شمار ہوتے تھے۔

ابتدائی دور کے علماء رجال انھیں فطحی المذہب کہا کرتے تھے اور ان کی روایت کو صحیح کے بجائے موثق کا درجہ دیا کرتے تھے۔ لیکن شیخ بہائیؒ نے تحقیق فرمائی ہے کہ اس نام کے دو راوی ہیں۔ اسحاق بن عمار بن حیان جو امامیہ سے تعلق رکھتے تھے اور مرد معتبر تھے اور اسحاق بن عمار بن موسیٰ جو فطحی المذہب تھے لیکن موثق تھے۔ اول الذکر کا ذکر رجال نجاشی میں ہوتا ہے اور ثانی الذکر کا ذکر رجال شیخ میں ۔ اور شیخ بہائی کی یہ تحقیق ایک مدت تک رائج رہی لیکن آخر میں علامہ طباطبائی بحرالعلومؒ نے یہ تحقیق فرمائی کہ اسحاق بن عمار صرف ایک ہی شخص کا نام ہے اور وہ امامی المذہب اور مرد معتبر تھے۔ لہٰذا ان کی روایت کو صحیح کا درجہ حاصل ہونا چاہیے۔

۳۔ بُرید بن معٰویہ العجلی الکندی

ابوالقاسم کُنیت تھی۔ وجوہ اصحاب ائمہ میں شمار ہوتے تھے اور امام باقرؑ اور امام صادقؑ کے حوارین میں تھے۔ امام صادقؑ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ دین کے پرچم چار ہیں: محمد بن مسلم، بُرید بن معٰویہ، لیث بن البختری ابو بصیر، زرارہ بن اعین۔ یہ حضرات نہ ہوتے تو فقہ اہلبیتؑ مٹ کر رہ جاتی۔ انھوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی اور ان کے فرزند قاسم بن بُرید بھی رواۃ اصحاب امام صادقؑ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۴۔ ابوحمزہ الثمالی

امام صادقؑ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ تمھیں دیکھ کر میرے دل کو سکون ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ان کی لڑکی گر پڑی اور اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو جراح کو علاج کے لیے لایا گیا۔ اور وہ بیٹی کی حالت دیکھ کر رو پڑے۔ قدرت کو اس انداز پر اس قدر رحم آگیا کہ ہاتھ خود بخود درست ہوگیا اور جراح شکستگی کے آثار تلاش کرتا رہ گیا۔ یہ امام سجادؑ کی خدمت میں بھی حاضر رہے اور اکثر زیارت امیرالمومنینؑ کے

لیے حاضر ہوا کرتے تھے تو فقہاء شیعہ کا مجمع لگ جاتا تھا اور لوگ ان سے علمی استفادہ کیا کرتے تھے، ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

۵۔ حریز بن عبداللہ سجستانی

اصلاً کوفہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن بغرض تجارت سجستان جایا کرتے تھے۔ اس لیے سجستانی کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ ان کی کتاب الصلوٰۃ علماء کے درمیان کافی شہرت کی مالک ہے۔

۶۔ حُمران بن اعین شیبانی

زرارہ کے بھائی تھے۔ امام باقرؑ نے انھیں شیعہ ہونے کی سند دی تھی اور ان کی وفات پر فرمایا تھا کہ ایک مرد مومن کا انتقال ہو گیا۔ حمران نے ایک مرتبہ امام صادقؑ سے عرض کی کہ آپ کے شیعوں کی تعداد اس قدر قلیل ہے کہ ایک بکری کا گوشت بھی ختم نہیں کر سکتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد امیر المومنینؑ کے واقعی مخلصین صرف سلمان، ابوذر اور مقداد تھے اور عمار بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔

۷۔ زُرارہ بن اعین

امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے فیض بن مختار سے فرمایا تھا کہ زرارہ نہ ہوتے تو میرے پدر بزرگوار کی حدیثیں ختم ہو جاتیں۔ یونس بن عمار نے امام صادقؑ کے سامنے زرارہ کے حوالہ سے امام باقرؑ کی ایک حدیث نقل کی تو آپ نے فرمایا کہ زرارہ نے نقل کیا ہے تو یقیناً صحیح ہوگی۔ جمیل بن دُراج نے کہا کہ ہم لوگ زرارہ کے سامنے طفل مکتب نظر آیا کرتے تھے۔ امام صادقؑ نے فرمایا کہ تمھارا نام فہرستِ اہل جنت میں بغیر الف کے لکھا ہے تو عرض کی کہ میرا اصلی نام عبد ربہ ہے۔ زرارہ تو بعد میں مشہور ہو گیا ہے۔ امام صادقؑ کے انتقال کے دو ماہ کے بعد انھوں نے بھی انتقال کیا لیکن اپنے پیچھے اولاد کا ایک سلسلہ چھوڑ گئے جو اہلِ علم و فضل اور مروجین دین و مذہب تھے۔

۸۔ صفوان بن مہران جمّال اسدی کوفی

کوفہ کے رہنے والے تھے اور اونٹوں کو کرایہ پر چلانے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا کہ تم اپنے اونٹ ہارون کو کرایہ پر دیتے ہو؟ تو عرض کی کہ فقط راہ مکہ میں یا

فرمایا کہ جب تک وہ واپس آ جائے تم یہ آرزو رکھتے ہو کہ وہ واپس آ جائے تو میرے اونٹ اور میرا کرایہ مل جائے؟ عرض کی بے شک! فرمایا کہ ظالم کی بقا کی آرزو کرنے والا بھی روزِ قیامت انھیں کے ساتھ محشور ہوگا۔ تو صفوان نے یہ سن کر سارے اونٹ بیچ ڈالے اور ہارون کو یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ اگر تمھارا اچھا سابقہ نہ ہوتا تو میں تمھیں قتل کرا دیتا۔

زیارت وارثہ، زیارت اربعین اور دعائے علقمہ کی روایت صفوان ہی سے وارد ہوئی ہے اور یہی ایک مدت تک امام صادقؑ کو مدینہ سے کوفہ لاتے رہے اور خود بھی بیس سال تک برابر قبر امیرالمومنینؑ کے قریب جا کر نماز ادا کرتے رہے۔

۹۔ عبداللہ بن ابی یعفور

امام باقرؑ اور امام صادقؑ کے حوارین میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت پر مکمل ایمان واعتماد رکھتے تھے اور حضرت نے بھی بار بار ان کے حق میں دعاے رحمت کی ہے۔ امام صادقؑ کی زندگی ہی میں طاعون میں انتقال فرمایا تو حضرت نے مفضل بن عمر کے خط میں بے حد مدح وثنا فرمائی، اور فرمایا کہ میں نے ان سے زیادہ خدا و رسولؐ و امامؑ کی اطاعت کرنے والا نہیں دیکھا ہے۔

۱۰۔ فضیل بن یسار البصری

ابوالقاسم کنیت تھی۔ جلیل القدر اصحاب امام صادقؑ میں تھے اور اصحاب اجماع میں شمار ہوتے تھے یعنی ان کی روایت کی صحت پر تمام علما کا اجماع واتفاق تھا اور امام صادقؑ فرمایا کرتے تھے کہ جسے اہل جنت کو دیکھنا ہو وہ فضیل کے چہرہ کو دیکھ لے۔

۱۱۔ فیض بن المختار الکوفی

امام باقرؑ و صادقؑ و کاظمؑ کے اصحاب اور رواۃ میں شمار ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اپنے وصی کا تعارف کرائیے تو آپ اندر تشریف لے گئے اور فیض کو بھی بلا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد امام موسیٰ کاظمؑ ہاتھ میں تازیانہ لیے ہوئے وارد ہوئے تقریباً پانچ سال کی عمر تھی۔ امام صادقؑ نے وصی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ فرزند! یہ تازیانہ کیسا ہے؟ عرض کی کہ میرا بھائی علی اس سے سب کو مار رہا تھا تو میں نے اس سے چھین لیا ہے۔ فرمایا فیض! یہ ہے میرا وصی اور جانشین۔ عرض کی مولا! کچھ اور وضاحت فرمائیں؟ فرمایا

کہ صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ رسول اکرمؐ سے وراثت میں مجھ تک پہونچے ہیں اور میں نے اس فرزند کو وارث بنا دیا ہے۔ عرض کی مولا! کچھ اور وضاحت فرمائیں؟ فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار دعا کیا کرتے تھے تو میں آمین کہتا تھا اور میں دعا کرتا ہوں تو یہ فرزند آمین کہتا ہے۔ عرض کی مولا! مزید ارشاد فرمائیں؟ فرمایا کہ پدر بزرگوار آرام فرمانا چاہتے تھے تو میں اپنے بازوؤں کو تکیہ بنا دیا کرتا تھا اور میں آرام کرنا چاہتا ہوں تو یہ سہارا دیتا ہے لہذا اس کی امامت کا اقرار کرو اور اپنے مخصوص اصحاب تک اس امر کی اطلاع پہونچا دو۔ فیض نے امام موسیٰؑ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پلٹ کر یونس بن ظبیان سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ میں خود امامؑ کی زبان سے اس کی تصدیق کراؤں گا۔ یہ کہہ کر درِ دولت پر حاضر ہوئے تو حضرت نے اندر سے پکار کر فرمایا کہ یونس! تحقیق مت کرو جو کچھ فیض نے بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

۱۲۔ لیث بن البختری

ابو بصیر کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا شمار بھی ان نیک کردار افراد میں ہوتا ہے جنھیں جنت کی بشارت دی گئی ہے اور جنھیں اصحاب اجماع میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کی روایات کی صحت پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم علباء بن درّاع الاسدی کے وقت آخر موجود تھے تو انھوں نے کیا کہا تھا! میں نے عرض کی کہ انھوں نے بتایا تھا کہ آپ نے ان کے بارے میں جنت کی ضمانت لی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سچ کہا ہے تو میں نے گریہ شروع کر دیا کہ کاش یہ شرف مجھے بھی حاصل ہو جاتا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا بھی ضامن ہوں۔ میں نے عرض کی کہ اپنے آباء واجداد سے بھی سفارش فرما دیجئے۔ فرمایا کہ وہ بھی ضامن ہیں۔ عرض کی کہ رب العالمین سے بھی شفاعت کر دیں۔ فرمایا کہ وہ بھی ضامن ہے اور جو شخص بھی اہلبیتؑ کی محبّت میں راسخ اور صاحب کردار ہوگا آل محمدؐ اس کی جنت کے ذمہ دار ہوں گے۔

۱۳۔ محمد بن علی بن نعمان کوفی

ابو جعفر کنیت تھی اور کوفہ میں طاق المحامل میں دکان رکھے ہوئے تھے اس لیے مومن طاق

کے لقب سے مشہور تھے اور دشمن ان کی حاضر جوابی سے عاجز آکر انھیں شیطان طاق کہا کرتے تھے۔ علم کلام اور مناظرہ کے ماہر تھے۔ مختلف کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ ابو حنیفہ سے بارہا مناظرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابو حنیفہ نے عقیدۂ رجعت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ مجھے پانچ سو اشرفی قرض دے دو رجعت میں لے لینا۔ ابو جعفر نے کہا کہ میں حاضر ہوں لیکن تم ضمانت لے آؤ کہ رجعت میں تم انسان ہی کی شکل میں آؤ گے ورنہ بندر کی شکل میں آگئے تو میں کس سے مطالبہ کروں گا۔

● امام صادقؑ کی وفات کے بعد ابو حنیفہ نے یہ طنز کیا کہ اب تو تمھارے امام مر چکے ہیں؟ تو ابو جعفر نے برجستہ کہا کہ تمھارا امام تو وقت معلوم تک زندہ رہے گا تمھیں کیا فکر۔

● ایک دن ابو حنیفہ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے دور سے ابو جعفر کو آتے دیکھا تو کہا کہ دیکھو شیطان آرہا ہے۔ ابو جعفر نے اس جملہ کو سُن لیا اور فوراً قرآن مجید کی آیت کی تلاوت کردی کہ "ہم نے شیاطین کو کافرین کی طرف بھیج دیا ہے تاکہ وہ ہمیشہ انھیں اذیت دیتے رہیں۔"

● کوفہ میں ایک مرد خارجی ضحاک نامی تھا، اپنے کو امیر المومنین کہا کرتا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیا کرتا تھا۔ ایک دن مومن طاق اس کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے تمھارے عدل وانصاف کی بہت تعریف سُنی ہے لہذا میں تمھارے اصحاب میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ اس نے موقع غنیمت جان کر خوش آمدید کہا اور اصحاب میں شامل کر لیا۔ مومن طاق نے کہا کہ آپ حضرت علیؑ کے مخالف کیوں ہیں؟ اس نے کہا کہ انھوں نے صفین میں حکم قبول کر لیا تھا اور یہ اسلام کے خلاف ہے۔ مومن طاق نے کہا کہ میں آپ سے اس موضوع پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ نے اپنی بات ثابت کردی تو آپ کے مرتبہ کا قائل ہو جاؤں گا لیکن بحث میں فیصلہ کون کرے گا، بغیر ثالث کے فیصلہ ممکن نہیں ہے۔ ضحاک نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کو حَکَم بنا دیا۔ مومن طاق نے تجویز کو منظور کرتے ہوئے کہا کہ ایہا الناس! اس شخص نے حکم منظور کر لیا ہے لہذا یہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ لوگوں نے اسے اس قدر مارا کہ بے دم ہو گیا۔

۱۴۔ محمد بن مسلم بن ریاح الطحان الثقفی الکوفی

بزرگانِ اصحابِ امام باقرؑ و صادقؑ میں تھے۔ ان کی روایات کی صحت پر علماء کا اجماع واتفاق ہے۔ مدینہ میں چار سال قیام کر کے ۳۰ ہزار حدیثیں امام باقرؑ سے اور ۱۶ ہزار حدیثیں امام صادقؑ

سے حاصل کی تھیں۔

عبداللہ بن ابی یعفور نے امام صادقؑ سے دریافت کیا کہ اگر آپ تک رسائی ممکن نہ ہو تو احکام دین کو کس سے اخذ کیا جائے؟ فرمایا کہ محمد بن مسلم میں کیا خرابی ہے، وہ تو میرے پدر بزرگوار کے نزدیک بھی محترم تھے۔

● محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ ایک رات ایک عورت نے میرے دروازہ پر دق الباب کیا اور یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اگر عورت مرجائے اور شکم میں بچہ زندہ ہو تو کیا کیا جائے۔ میں نے کہا کہ امام محمد باقرؑ نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ شکم کو چاک کر کے بچہ کو نکال لیا جائے۔ مگر میں ایک گوشہ نشین انسان ہوں تجھے میرا پتہ کس نے بتایا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ مسئلہ ابو حنیفہ کے سامنے پیش آیا تھا۔ انھیں جواب نہیں معلوم تھا تو مجھے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے۔ دوسرے دن میں مسجد میں وارد ہوا تو دیکھا کہ ابو حنیفہ اس مسئلہ کو اپنے نام سے بیان کر رہے ہیں۔؟ میں نے اشارہ کیا کہ میں یہاں موجود ہوں تو گھبرا کر کہا کہ ایک لمحہ تو زندہ رہنے دو۔

● تواریخ کی بنا پر محمد بن مسلم ایک دولت مند انسان تھے۔ امام باقرؑ نے انھیں نصیحت کی کہ تواضع سے کام لیا کرو، تو سارا کاروبار چھوڑ کر کھجور بیچنے لگے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ یہ کام آپ کے شایان شان نہیں ہے تو آٹا پیسنے کی چکی لگالی اور اسی بنا پر انھیں طحان کہا جانے لگا۔

۱۵۔ معاذ بن کثیر الکسائی الکوفی

شیوخ اصحاب امام صادقؑ میں شمار ہوتے ہیں۔ امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کی نص کے راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ کرباس فروشی کا کام کرتے تھے۔ جب کاروبار بند کیا تو امام صادقؑ نے فرمایا کہ کاروبار کا بند کر دینا کار شیطانی ہے۔ کاروبار کے بند کر دینے سے دو تہائی عقل معطل ہو جاتی ہے۔

● ایک مرتبہ عرفات کے میدان میں بے پناہ مجمع دیکھ کر امامؑ سے عرض کی کہ امسال حجاج بہت زیادہ ہیں۔ آپ نے قریب بلا کر فرمایا کہ یہ تو مجمع ہے ورنہ اصل حاجی تم لوگ ہو، اور خدا تمہارے ہی جیسے افراد کے اعمال کو قبول کرتا ہے۔

۱۶۔ معلیٰ بن خنیس بزاز کوفی

ان کا شمار بھی اولیاء اللہ اور اہل جنت میں ہوتا ہے۔ امام صادقؑ نے اپنے گھر کے امور کا نگراں

مقرر کر دیا تھا اور آپ پر بے حد اعتماد فرماتے تھے بلکہ داؤد بن علی نے اسی محبت اور اعتماد کی بنا پر انھیں قتل کر دیا تھا۔ تو جب امام صادقؑ کو حادثہ کی اطلاع ملی تو مکہ سے تشریف لے آئے اور داؤد بن علی کے پاس جا کر فرمایا کہ تو نے اس شخص کو قتل کیا ہے جو خدا کی بارگاہ میں تجھ سے یقیناً بہتر تھا۔ تو یاد رکھنا کہ معلی کی منزل جنت الفردوس ہے۔ اس نے معذرت کی کہ میں نے نہیں قتل کیا ہے بلکہ انھیں سیرافی نے قتل کیا ہے۔ تو آپ نے سیرافی سے انتقام لیا اور اسے قتل کرا دیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے آخر شب سر سجدہ میں رکھ کر داؤد بن علی کے حق میں بد دعا کی تو تھوڑی دیر کے بعد اس کے گھر سے گریہ وزاری کی آوازیں بلند ہو گئیں اور معلوم ہوا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔

۱۷۔ ہشام بن محمد بن السائب الکلبی

ابو المنذر کنیت تھی۔ علم الانساب کے ماہر تھے۔ ایک عارضہ کی بنا پر حافظہ خراب ہو گیا تھا اور سب بھول گئے تھے تو امام صادقؑ سے فریاد کی آپ نے ایک جام عنایت فرمایا اور اسے پی لیا تو پورا حافظہ واپس آگیا۔ حضرت ان سے بے حد محبت فرماتے تھے اور علم الانساب میں مشہور نساب کلبی انھیں کا نام ہے۔

۱۸۔ یونس بن ظبیان کوفی

بعض علماء رجال نے ان کے بارے میں تشکیک کی ہے لیکن محدث نوریؒ نے خاتمہ مستدرک میں ان کی وثاقت کے دلائل تحریر فرمائے ہیں اور امام صادقؑ کی طرف سے دعائے رحمت بلکہ بشارت جنت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے مرویات میں امام حسینؑ کی ایک زیارت، نجف اشرف میں زیارت امیر المومنینؑ کے بعد کی دعا "اللھم لابد من امرک" وغیرہ جیسی مشہور زیارتیں، اور دعائیں بھی شامل ہیں۔ فجزاھم اللہ عنا وعن الاسلام خیر الجزاء!

اقوالِ حکیمانہ

۱۔ اے حمران بن اعین! ہمیشہ ان لوگوں پر نگاہ رکھو جو دولت اور طاقت میں تم سے کم ہوں اور انھیں مت دیکھو جو تم سے بالاتر ہوں کہ اس طرح قناعت بھی پیدا ہوتی ہے اور بارگاہِ احدیت سے اضافہ کا استحقاق بھی پیدا ہوتا ہے۔

یاد رکھو کہ یقین کے ساتھ تھوڑا عمل بھی بے یقینی کے عالم میں کثیر عمل سے بہتر ہوتا ہے۔

بہترین تقویٰ یہ ہے کہ انسان محرمات سے پرہیز کرے، مومنین کو اذیت نہ دے اور غیبت نہ کرے۔ اور بہترین زندگی یہ ہے کہ بہترین اخلاق کا مالک ہو اور نافع ترین مال کا نام قناعت ہے اور بدترین جہالت خود پسندی ہے۔

● ۲۔ حمران! اگر ممکن ہو کہ گھر سے باہر نہ نکلو ــــ کہ باہر آنے میں اپنے کو غیبت، جھوٹ، حسد، ریا، تصنّع وغیرہ سے محفوظ رکھنا پڑتا ہے اور یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے۔ بہترین صومعہ انسان کے لیے اس کا گھر ہے جہاں ہر شر سے محفوظ رہتا ہے۔

واضح رہے کہ اس حدیث کے انداز بیان ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں ترک دنیا کی تعلیم نہیں دی گئی ہے بلکہ ترک معصیت کی تعلیم دی گئی ہے کہ ہر انسان یہ جانتا ہے کہ گھر میں بیٹھنا ممکن نہیں ہے اور ہزاروں دینی اور دنیاوی ضروریات کے لیے بہرحال باہر آنا پڑتا ہے لہٰذا اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے کہ جب لوگوں سے ملاقات کرے تو ان گناہوں میں مبتلا نہ ہونے پائے۔

● ۳۔ جب بلاؤں پر بلاؤں کا اضافہ ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بلاؤں سے عافیت نصیب ہو گئی۔ یہ قرآن کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا" (ہر تنگی کے ساتھ سہولت بھی ہے اور کوئی شے بھی جب اپنی انتہا کو پہونچ جاتی ہے تو اس کی ضد کا آغاز ہو جاتا ہے۔

● ۴۔ جب دنیا کسی شخص کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے تو دوسرے کی خوبیاں بھی اسی کے حساب میں لکھ دیتی ہے اور جب منھ پھیر لیتی ہے تو اس کی خوبیاں بھی دوسروں کے حساب میں ڈال دیتی ہے۔ (دنیا کی بے اعتباری اور بے اعتمادی کی اس سے بہتر تصویر کشی نہیں ہو سکتی ہے جس کا نقشہ صبح و شام دیکھنے میں آتا رہتا ہے۔)

● ۵۔ ایک شخص کو وصیت فرمائی کہ اپنا زاد آخرت خود مہیا کرو۔ اپنا سامان پہلے سے خود روانہ کرو اور اپنے وصی خود بنو۔ خبردار! اپنے ضروریات کے بارے میں دوسروں پر یہ اعتماد مت کرنا کہ وہ مرنے کے بعد روانہ کر دیں گے۔

● ۶۔ عبداللہ بن جندب کو نصیحت فرمائی کہ "بہترین زندگی کے لیے ضروری ہے کہ رات میں سونا کم کرو اور دن میں باتیں کم کرو۔" (رات میں کم سونے کا فائدہ اعمال آخرت کی شکل میں

ظاہر ہوتا ہے اور دن میں کم بات کرنے کا فائدہ محنت و مشقت اور کسب معاش کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے۔

● ۷۔ احتیاط میں سلامتی ہے اور جلد بازی میں شرمندگی۔ ناوقت کام شروع کرنے والا نتیجہ بھی ناوقت ہی حاصل کرتا ہے۔

ہم اہلبیتؑ ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جو عاقل، بافہم، فقیہ، حلیم، خوش اخلاق، صابر، صادق اور باوفا ہوتے ہیں کہ یہ سب صفات انبیاء و مرسلین کے ہیں، اور جس کے پاس یہ صفات ہوں اسے شکر خدا کرنا چاہیے اور جو ان صفات سے محروم ہو اُسے رو رو کر دعا کرنا چاہیے کہ رب العالمین ان صفات سے آراستہ بنا دے۔

● ۸۔ کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ مروّت کے معنی کیا ہیں؟ تو فرمایا مروت کی حقیقت یہ ہے کہ خدا تمھیں وہاں نہ دیکھے جس جگہ سے منع کیا ہے اور وہاں سے غائب نہ پائے جس جگہ دیکھنا چاہتا ہے۔

● ۹۔ جو شخص معمولی ذلت کے مقابلہ میں جزع و فزع شروع کر دیتا ہے وہ آخر میں بڑی ذلت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(یہ ارشاد گرامی ایک مخصوص موقع پر فرمایا گیا ہے جہاں امامؑ کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ ظالموں کی طرف سے توہین کو برداشت کریں یا پھر احتجاج کریں اور اس کے نتیجہ میں قتل وغیرہ جیسے خطرات سامنے آجائیں اور ان کے دفع کرنے کے لیے زیادہ دشوار گذار مراحل کا سامنا کرنا پڑے۔)

● ۱۰۔ ابلیس کے پاس غصہ اور عورت سے زیادہ طاقتور کوئی لشکر نہیں ہے۔

(ابلیس انسان کو تباہ کرنے کے لیے کبھی غصّہ کو ذریعہ بناتا ہے اور کبھی عورت کو۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ غصّہ کوئی ذلیل صفت ہے یا عورت کوئی حقیر مخلوق ہے۔ غصّہ اپنے موقع پر ایک انتہائی ضروری صفت ہے کہ یہ نہ ہوگا تو انسان بے غیرت اور بے حیا ہو جائے گا اور اسی طرح عورت اپنے مقام پر ایک انتہائی حسین مخلوق ہے جس کے بغیر انسان کی زندگی ادھوری رہ جاتی ہے لیکن ابلیس اسے گمراہی کے ذریعہ کے طور پر استعمال کرتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ اپنے کو وسائل ابلیس کے طور پر استعمال ہو کر اپنی حیثیت کو تباہ و برباد نہ کرے اور مرد کا بھی فرض ہے کہ جب وہ وسائل ابلیس کے طور پر استعمال ہونے لگے تو اس سے پرہیز کرے۔)

فقہ جعفری کیا ہے؟

اس موضوع پر تفصیلی تبصرہ سے پہلے اس شخصیت کی زندگانی کا جائزہ لینا ضروری ہے جس کے انتساب سے اس قانون اسلام کو فقہ جعفری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا اسم گرامی جعفر ہے جس کے معنی وسیع نہر کے ہیں۔ آپ کی شخصیت نگاہِ قدرت میں ایک دریائے علم ہے جس سے امت اسلامیہ کے تشنگانِ علم و معرفت کو سیراب ہونا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ دریا اپنے پیاسوں کو سیراب کرنے کے لیے کسی گھاٹ اور کنارے کی شرط نہیں رکھتا ہے جو جس وقت آجائے اور جس نیت سے آجائے دریا بہرحال سیراب کرے گا۔ اب کوئی اپنی شرارت سے خود ہی ڈوب جائے تو اس کی ذمہ داری دریا پر نہیں ہے۔

صادق آپ کا مشہور ترین لقب ہے جس سے دوست اور دشمن دونوں نے آپ کو یاد کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ صادق کے صحیح معنی بھی یہی ہیں کہ جان کے دشمن اور خون کے پیاسے بھی صداقت کا انکار نہ کر سکیں جیسا کہ حضور سرورِ کائناتؐ کی حیاتِ طیبہ میں دیکھا گیا ہے کہ آپ کے شدید دشمن بھی آپ کو صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے تھے اور آپ کی صداقت کا انکار نہیں کر سکتے تھے۔

قدرت کا بھی عجیب انتظام تھا کہ تاریخ عصمت کے دو مشہور ترین صادق دونوں کو ایک ہی تاریخ میں اس دنیا میں بھیجا۔ رسولِ اکرمؐ کی تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول اور امام جعفر صادقؑ کی

تاریخ ولادت بھی ۱۷ ربیع الاول ہے۔

گویا ۱۷ ربیع الاول کی تاریخ وہ مبارک تاریخ تھی کہ کائنات کا ہر مژدۂ صداقت اسی تاریخ کو سنایا گیا اور دنیا کے مانے ہوئے صادقین اسی تاریخ کو دنیا میں تشریف لائے تو اب مجھے کہنا پڑتا ہے کہ "کونوا مع الصادقین" تلاش کرنا چاہتے ہو تو ۱۷ ربیع الاول کی سحر پر نظر کرو صداقت کے نمونے نظر آجائیں گے اور پھر اسی معیار پر باقی صادقین کو تلاش کر لینا۔

نقشۂ زندگانی

امام صادق علیہ السلام کی ولادت ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ کو ہوئی اور آپ کی شہادت کی تاریخ ۱۵ شوال ۱۴۸ھ ہے۔ یعنی آپ نے اس دنیا میں تقریباً ۶۵ سال گذارے ہیں، جو تمام معصومینؑ میں سب سے زیادہ عمر ہے کہ اب تک جو معصومینؑ دنیا سے جا چکے ہیں ان میں امام صادقؑ سے زیادہ کوئی اس دنیا میں نہیں رہا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی معصوم اپنی طبیعی موت سے اس دنیا سے رخصت نہیں ہوا اور جسے جس قدر زندہ رہنے کا موقع دیا گیا وہ اسی قدر اس دنیا میں زندہ رہا اور جب زہر دغا یا شمشیر جفا کا نشانہ بنا دیا گیا تو رضائے الٰہی پر سر تسلیم خم کیے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ امام زمانہؑ کی طولِ عمر کا راز بھی یہی ہے کہ آپ اہلِ دنیا کی دسترس سے دور ہیں ورنہ یہ اہلِ زمانہ آپ کو بھی زندہ نہ رہنے دیتے۔ قدرت کو حجتِ آخر کو باقی رکھنا تھا اس لیے آپ کو حجاب غیب میں بچا کر رکھا اور دنیا پر واضح کر دیا کہ ہم جسے بچانا چاہتے ہیں اسے کوئی مٹا نہیں سکتا۔ ہم فرعون کے قصر میں موسیٰؑ کو بچا سکتے ہیں اور فراعنہ عصر کے درمیان حجت آخر کا تحفظ کر سکتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے زندگی کے ۱۲ سال اپنے جدِ بزرگوار امام زین العابدینؑ کے ساتھ گذارے۔ ۹۵ھ میں امام زین العابدینؑ کی شہادت ہو گئی تو آپ اپنے والد محترم کے ساتھ رہے۔ ۱۱۴ھ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت ہو گئی تو امت مسلمہ کی مکمل ذمہ داری آپ کے سر عائد ہو گئی اس وقت آپ کی عمر مبارک ۳۰ برس کے قریب تھی اور بنی اُمیہ اور بنی عباس کی جنگ اقتدار شروع ہو چکی تھی۔ ۱۳۲ھ میں بنی اُمیہ کا چراغ گل ہوا اور بنی عباس "حمایت حقِ آل محمدؐ" کے نام پر برسرِ اقتدار آ گئے۔ امامؑ کی زندگی کے منصبی دور میں ۱۸ سال بنی امیہ کی حکومت رہی اور ۱۵ سال

بنی عباس کا اقتدار رہا۔ اور پوری زندگی کا حساب لگایا جائے تو آپ کی حیات میں دس بنی اُمیہ کے بادشاہوں نے حکومت کی اور دو بنی عباس کے بادشاہ رہے۔ ایک سفاح جو ختم ہو گیا اور دوسرے منصور جس نے آپ کو زہر دغا سے شہید کیا۔

امامت اور سیاست

امامت کی زندگی کا یہ قابل لحاظ مرقع ہے کہ آپ کی زندگی میں حکومت نے بارہ پلٹے کھائے اور اس طرح کہ ایک مکمل اقتدار کا تاج و تخت پامال ہو گیا اور دوسرے کے سر پر تاج رکھ دیا گیا اور سب کی کوشش یہی رہی کہ کسی طرح آپ کو شکست دے دی جائے اور آپ کو ذلیل و رسوا کر دیا جائے لیکن بارہ قلابازیاں کھانے کے بعد بھی حکومت اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکی اور امامت اپنے خدمات میں مصروف رہی اور دنیا کو آواز دیتی رہی۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ امام سیاست سے بے خبر ہوتا ہے۔ آئیں اور آکر دیکھیں کہ اہلِ سیاست کس طرح شکست کھا رہے ہیں اور امامت کس طرح فتح مبین حاصل کر رہی ہے۔

حکومتوں کے ان انقلابات میں ایسے مواقع بھی آئے جب امام کو تخت و تاج کی پیش کش کی گئی اور بنی عباس کے کمانڈر ان چیف نے چاہا کہ حمایت آلِ محمدؐ کے دعویٰ کی توثیق کے لیے امام کو ساتھ لے لیا جائے لیکن آپ نے واضح لفظوں میں انکار کر دیا اور بتا دیا کہ میں انجام کار سے باخبر اور نیتوں سے آگاہ ہوں۔ مجھے حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اگر خاندان میں کوئی شخص قیادت کے لیے تیار بھی ہوا تو اسے بھی متنبہ فرما دیا کہ اس انقلاب کا انجام اچھا نہیں ہے اس سے کنارہ کش رہنا ہی مناسب ہے۔

ایسے ہی مواقع کو دیکھ کر اکثر سادہ لوح افراد یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ آلِ محمدؐ کا ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے اور انھوں نے ہمیشہ اپنے کو حکومت دنیا سے الگ رکھ کر فقط فکر آخرت کی ہے اور عبادتوں میں زندگیاں گذاری ہیں۔ استعماری طاقتوں نے اس خیال کو اور بھی راسخ بنا دیا ہے تاکہ آلِ محمدؐ کے باشعور پرستار حکومت سے غافل ہو جائیں اور استعمار کو اپنے منصوبوں کی تکمیل کا موقع مل جائے، حالانکہ تاریخ کا ادنیٰ مطالعہ بھی اس بات کا گواہ ہے کہ مرسل اعظمؐ یا ان کے اہل بیت طاہرینؑ

نے کبھی حکومت سے کنارہ کشی نہیں کی اور ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ دنیا میں حکومت الٰہیہ قائم ہو جائے اور تباہی کے راستے پر جانے والی دنیا سیاست الٰہیہ کے راستے پر چل پڑے۔ اسلام میں پہلی حکومت سرکار دو عالمؐ ہی نے قائم کی ہے جہاں مکمل طور پر سرکار ہی کے احکام چلتے تھے اور آپ ہی پوری مملکت کا انتظام فرماتے تھے اس کے بعد مولائے کائنات نے بھی مختصر سے وقفہ میں ملنے والے موقع کو نظر انداز نہیں کیا اور اپنے امکان بھر حکومت الٰہیہ کے قیام کی کوشش کرتے رہے اور خود ہی ارشاد فرمایا کہ "ہماری حکومت کا مقصد قیام حق اور دفاع باطل ہوتا ہے ہم اہل ہوس نہیں ہیں لیکن حکومت سے الگ ہونا بھی نہیں چاہتے"۔ ہاں جب آلِ محمدؐ نے دیکھا کہ حکومت ہمارے نام کو استعمال کرنا چاہتی ہے اور ہم اس کی روش کو تبدیل نہیں کر سکتے ہیں تو علیحدگی اختیار کر لی اور عدم تعاون کی مکمل پالیسی کا اعلان کر دیا تاکہ ان کے نام کا غلط استعمال نہ ہو سکے اور ان کی شرکت کو حکومت کے اسلامی ہونے کی دلیل نہ بنایا جا سکے۔

قیام حکومت امامت کے فرائض میں سے ایک فریضہ ہے۔ جب بھی اس کے حالات پیدا ہو جائیں گے امام حکومت ضرور قائم کرے گا اور سیاسی مسائل کو اپنے ہاتھوں میں لے لے گا اور جب اس کے حالات سازگار نہ ہوں گے تو بھی کنارہ کش ہو کر حجرہ میں نہیں بیٹھے گا بلکہ اس کی پالیسیوں کی کڑی نگرانی کرتا رہے گا اور حتی الامکان اس کی رہنمائی، تنقید یا مقاطعہ سے کنارہ کشی نہیں کرے گا۔ امام زین العابدینؑ نے اپنے گریۂ مسلسل کے درمیان تنقید سے کام لیا۔ امام محمد باقرؑ نے بھی تنقید فرمائی۔ امام جعفر صادقؑ اور اس کے بعد کے ائمہ معصومینؑ نے واضح طور پر مقاطعہ کی پالیسی اختیار کی اور حکومت کی ملازمت بلکہ اس کے ہاتھ سامان کرایہ پر دینے کی بھی ممانعت کر دی اور امام موسیٰ کاظمؑ نے صفوان جمال سے یہاں تک فرما دیا کہ جب تم اپنے اونٹ حکومت کو کرایہ پر دیتے ہو تو تمہارا دل چاہتا ہے کہ کرایہ دار اس وقت زندہ رہے کہ اونٹ مع کرایہ کے واپس آجائیں۔ یاد رکھو ظالم کے لیے حیات کی تمنا کرنا یہ بھی اعانت ظلم ہے اور میں اپنے چاہنے والوں کے لیے اتنی مقدار میں اعانت بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی کنارہ کش کا اندازہ نہیں ہے یہ ایک "ناقد بصیر" کا کردار ہے جو امام موسیٰ کاظمؑ نے انتہائی سختی کے دور میں بھی اختیار فرمایا۔ اور اس سے پہلے امام محمد باقرؑ نے فرمایا تھا کہ جب بھی کوئی روز عید آتا

ہے تو ہم آلِ محمدؐ کے حزن و غم میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ ہم اپنے حق کو غیروں کے ہاتھوں میں دیکھتے ہیں اور منبرِ رسولؐ پر نا اہلوں کے خطبوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

یہ ارشادات و اقوال اس بات کی دلیل ہیں کہ امامت کے فرائض سیاست سے الگ نہیں ہیں اور ہر امام نے اپنے دَور میں بقدرِ امکان سیاسی مسائل میں مداخلت کی ہے اور جہاں حالات سازگار نہیں رہے وہاں بھی تنقید سے کنارہ کشی نہیں فرمائی۔ امامت کو سیاست سے الگ کر دینے کی پالیسی استعمار کی ہے جو اہلِ دین و دیانت کو حکومت سے بے دخل کر کے اپنی من مانی کرنا چاہتے ہیں جو کام کل کے حکام بزورِ طاقت کر رہے تھے وہ آج کے استعماری ذہن بزورِ فلسفہ انجام دے رہے ہیں۔

حقیقتِ فقہ

اس تمہید کے بعد فقہ سے متعلق گفتگو کا آغاز ہوتا ہے۔

فقہ کے معنی عربی زبان میں فہم اور سمجھ کے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے "لکن لا تفقھون تسبیحھم" کائنات کی ہر شے تسبیح پروردگار کر رہی ہے لیکن تمھیں ان کی تسبیح کا فقہ و فہم نہیں ہے۔

علماء کی اصطلاح میں فقہ دین کے مسائل کے تفصیلی اور استدلالی علم کا نام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: فقہ اکبر جسے آج کی زبان میں علم کلام کہا جاتا ہے۔ اور فقہ اصغر جسے علم فقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علم فقہ اسلام کے فروعی احکام کے تفصیلی دلائل سے جاننے کا نام ہے اور فقہ عرفِ عام میں انھیں احکام کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔

فقہی مدارک

اسلام کے مکاتبِ فقہ میں دو بنیادیں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں۔ ایک کتابِ خدا اور ایک سنتِ رسولؐ کہ انھیں کسی نہ کسی شکل میں ہر مسلمان نے احکام کا مدرک تسلیم کیا ہے۔ قرآن کی تفصیل و تاویل میں لاکھ اختلاف ہو سنت کی تعبیر و تشریح میں کسی قدر اختلاف کیوں نہ ہوں لیکن

کتاب وسنت مدرک احکام ہیں۔ اس کے بعد بنیادی مسئلہ یہ ہے اگر کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے۔

ایسے مسائل بے شمار ہوسکتے ہیں اس لیے کہ حضور سرور کائناتؐ کے دور میں زندگی محدود اور سادہ تھی اس وقت اس قدر پیچیدہ مسائل پیدا نہیں ہوئے تھے۔ آپ کے بعد فتوحات اور توسیع دائرہ حکومت کے زیر اثر اور دیگر اقوام کے اختلاط کے نتیجے میں بے شمار مسائل پیدا ہو گئے اور زندگی کا انداز بالکل تبدیل ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ان مسائل کا حل کیا ہو گا اور ان کے بارے میں کیا قانون بنایا جائے گا۔؟

اس سلسلے میں ایک مدرسۂ فکر یہ ہے کہ سرور کائناتؐ کو ان حالات کا علم تھا اور آپ جانتے تھے کہ امت میں ایسے مسائل پیدا ہوں گے اور امت کو ان مسائل کے حل کی ضرورت پڑے گی۔ اسی لیے آپ نے جاتے جاتے امت کو قرآن اور اہل بیتؑ کے حوالے کر دیا تا کہ نئے مسائل قرآن مجید میں نہ مل سکیں تو ان کو حل کرنے کے لیے اہلِ بیتؑ موجود رہیں اور پروردگار نے اہل بیتؑ کے سلسلہ کو دائمی اور ابدی بنا دیا کہ کوئی دَور ایسا نہ آئے۔ جب مسائل پیدا ہوں اور حلاّل مسائل نہ ہوں مشکلات ہوں اور کوئی مُشکل کشا نہ ہو۔

لیکن دوسرے مکتب فکر نے اس راستہ کو اختیار نہیں کیا اور حضورؐ کے سامنے "حسبنا کتاب اللہ" کہہ کر اپنے کو اہل بیتؑ سے الگ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حسبنا کام نہ آیا اور ایسے مسائل پیدا ہو گئے جن کا حل قرآن مجید بلکہ سنت پیغمبرؐ میں بھی نہیں مل سکا، ایسے وقت میں تمام لوگ مجبور ہوئے کہ قیاس کا دامن پکڑا جائے اور اپنی عقل کے سہارے احکام سازی کا کام شروع کیا جائے۔

مولانا شبلی نے اس طرزِ عمل کو امت اسلامیہ پر حضرت عمر کا بہت بڑا احسان قرار دیا ہے کہ انھوں نے اس راستہ کی طرف راہنمائی کر دی ورنہ امت کے پاس مسائل کا کوئی حل نہ ہوتا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ یہ کام انھیں کو کرنا بھی چاہیے تھا اس لیے کہ حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بھی انھوں نے دیا تھا اور اہلِ بیتؑ سے کنارہ کشی کی بنیاد بھی انھوں نے ڈالی تھی۔

فرق یہ ہے کہ مدینہ میں "مدرسۂ قیاس" زیادہ کامیاب نہ ہو سکا کہ وہاں کی زندگی پھر بھی سادہ

تھی اور مسائل زیادہ نہ تھے وہاں کے لوگوں نے زیادہ حصہ کام احادیث سے چلایا اور وہاں کے مدرسہ کو اہلِ حدیث کا مدرسہ کہا گیا۔ اس کے برخلاف عراق کے مسائل عجم کی فتوحات کی بنا پر بے حد پیچیدہ ہوگئے تھے اور وہاں قیاس کی بے حد ضرورت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عراق کا مدرسہ فکر "مدرسہ رائے اور قیاس" ہوگیا۔ ادھر حکومتوں کی کشمکش کا بھی آغاز ہوگیا۔ بنی عباس کی جنگ نے قومیت کا روپ دھار لیا۔ بنی امیہ کی پُشت پر عرب رہے اور بنی عباس کی حمایت عجم نے کی اور اہلِ حدیث و اہلِ قیاس کا جھگڑا حجاز و عراق میں تبدیل ہوگیا۔ حجاز اہلِ حدیث کے ہاتھوں میں چلا گیا اور عراق اہلِ قیاس کے ہاتھوں میں آگیا امام مالک کو اہلِ حدیث کا امام کہا جانے لگا اور امام ابوحنیفہ کو اہلِ قیاس کا امام بنا دیا گیا۔ حالانکہ علماء کے اعداد و شمار کے مطابق امام مالک کے یہاں قیاس کی مقدار امام ابوحنیفہ سے بھی زیادہ ہے لیکن سیاسی تقسیم میں وہ حجاز کے حصہ میں آئے اور یہ عراق کے حصے میں آگئے۔

ایک ایسے معرکہ آراء دور میں جب اہلِ حدیث اور اہلِ قیاس۔ بنی امیہ و بنی عباس۔ اور حجاز و عراق کی جنگ چل رہی تھی امام جعفر صادقؑ نے ایک تیسری آواز بلند کی اور امت کو ایک نئے راستہ کی ہدایت کی۔ اسی راستہ کو فقہ جعفری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام علیہ السلام نے اس ہنگامی دور میں ضروری سمجھا کہ اپنی آواز کو حجاز و عراق دونوں جگہ عام کیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کا مدرسہ فقہ مدینہ میں بھی تھا اور کوفہ میں بھی۔ کوفہ میں تو آپ کا مدرسہ اتنا عظیم تھا کہ اس میں چار ہزار افراد زیرِ تعلیم تھے اور یہ معمولی صلاحیت کے لوگ نہیں تھے بلکہ بڑے بڑے جید علماء تھے جن میں سے بہت سے بعد میں مدعی امامت بھی ہوگئے۔ علی بن محمد وشاء کا بیان ہے کہ میں نے مسجد کوفہ میں ۹۰۰ حلقے دیکھے جن کے اساتذہ یہ کہہ رہے تھے کہ یہ علوم حضرت جعفرؑ بن محمدؑ کی دین ہیں اور ہم سے انھوں نے بیان کیے ہیں۔

ایسے حالات کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد فقہ جعفری کی برتری کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ فقہ "اہلِ بیت کرامؑ" کی فقہ ہے۔ امام صادقؑ کی طرف انتساب تو صرف حالات کی بنا پر ہے کہ جس قدر احکام آپ نے بیان فرمائے ہیں اتنا موقع کسی دوسرے امام کو نہیں مل سکا ہے۔ ورنہ اس فقہ میں تمام معصومینؑ کے ارشادات شامل ہیں اور اہلِ بیت کرامؑ سے تمسک اپنی پسند کا معاملہ نہیں ہے بلکہ حکم خدا اور رسولؐ ہے جسے "کونوا مع الصادقین" اور "حدیث ثقلین" میں بیان کیا گیا ہے۔

ہم نے نبی کو نبی اس لیے نہیں مانا کہ انھوں نے اپنے کو نبی کہا ورنہ ہر مدعی نبوت کو نبی تسلیم کر لیتے۔

ہم نے نبی کو نبی اس لیے مانا ہے کہ جس خدائے وحدہٗ لاشریک کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے تھے اس نے انھیں نبی بنایا تھا اور یہ فرما دیا تھا کہ جو رسولؐ تمھارے حوالے کرے اسے لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ رسولؐ کے بعد اہل بیت اطہارؑ کو بھی ان کے دعویٰ کی بنا پر تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ حدیث ثقلین کی بنا پر تسلیم کیا ہے۔ اعلانِ غدیر کی بنا پر تسلیم کیا ہے۔ رسول اکرمؐ کے قول و عمل کے اشاروں کی بنا پر تسلیم کیا ہے تو اب فقہ اہلِ بیتؑ کا تسلسل یہ ہے کہ تقاضائے عقل و فطرت کی بنا پر خدا کو مانا اور حکم خدا کی بنا پر رسولؐ کو مانا اور حکم رسولؐ کی بنا پر اہلِ بیتؑ کو مانا۔ تو جب سلسلۂ اطاعت و مذہب اوپر سے چلا تو بھی اہل بیتؑ پر آکر رکا۔ ان کے علاوہ مرسل اعظمؐ نے کسی فقیہ یا امام مذہب کو واجب الاطاعت نہیں قرار دیا اور نہ اس کے قول و فعل کی ضمانت لی ہے۔ اور یہی سلسلہ جب نیچے سے امت کی طرف سے چلا تو ساری امت میں چار فقیہ برتر قرار دیے گئے کہ ان کا علم، ان کی فقاہت اور دینی بصیرت کا جواب نہیں ہے اور جب ان چاروں کا جائزہ کیا گیا تو امام حنبل، امام شافعی کے تابع نظر آئے۔ امام شافعی، امام مالک کا اتباع کرتے ہوئے دکھائی دیے اور امام مالک و امام ابوحنیفہ جو اہلِ حدیث اور اہلِ قیاس کی جماعت کے سربراہ اور حجاز و عراق کے مرجعِ مسلمین تھے دونوں امام جعفر صادقؑ کے شاگرد نظر آئے تو ہم نے فیصلہ کر لیا کہ استاد کی فقہ کے ہوتے ہوئے شاگرد کی فقہ پر اعتماد کرنا تقاضائے دانش مندی نہیں ہے۔

امام جعفر صادقؑ امام مالک اور ابوحنیفہ کے ایسے استاد تھے کہ امام مالک کی نظر میں ان سے بڑا کوئی فقیہ نہیں تھا اور امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر دو سال امام جعفر صادقؑ کی شاگردی نہ کی ہوتی اور ان سے استفادۂ علمیہ نہ کیا ہوتا تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔"

ہلاکت سے بچانے والے جعفر بن محمدؑ ہی ہیں اور علوم سے مستفیض کرنے والے اہل بیت اطہارؑ ہی ہیں، ایسے حالات میں ایسے قابل استاد کو چھوڑ کر شاگرد کی فقہ پر اعتماد کرنا کہاں کی دانش مندی ہے۔؟

بعض متعصب اہلِ نظر نے اس قول کی صداقت میں شبہ کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ امام جعفر صادقؑ سے تین برس بڑے تھے اور ان کے باقاعدہ ہم عصر تھے۔ لہٰذا ان کی

شاگردی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

ان بے چاروں نے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی کہ استادی سن و سال سے نہیں طے ہوتی ہے علم اور قابلیت سے طے ہوتی ہے۔ جناب آدمؑ نے ملائکہ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو انھیں نہیں معلوم تھا حالانکہ ملائکہ جناب آدمؑ سے عمر میں بہت بڑے تھے۔

امیر المومنینؑ نے خلفائے وقت کو اتنا بتایا اور سکھایا کہ خود حضرت عمر نے فرمایا "اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا" حالانکہ وہ عمر میں جناب امیرؑ سے بڑے تھے۔ استفادۂ علمیہ کے لیے سن و سال کا حساب نہیں کیا جاتا۔ صلاحیت اور قابلیت دیکھی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ علامہ شبلی نے اس مقام پر نہایت حسین بات فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے شبہات صرف تعصب کی پیداوار ہیں اور دیانت و انصاف کے خلاف ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ نہایت درجہ لائق و قابل و دانش مند تھے لیکن وہ جعفر بن محمد جیسے نہیں ہو سکتے۔ امام ابو حنیفہ باہر کے آدمی ہیں اور امام جعفر صادقؑ اہل بیتؑ میں ہیں اور اہل بیتؑ گھر کے حالات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان میں جو کچھ امام جعفر صادقؑ اور حضرت ابو حنیفہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اسی نکتہ کی روشنی میں صدر اسلام کا فیصلہ کیوں نہیں کیا اور مذکورہ معاملہ میں اس نکتہ کو کس طرح فراموش کر گئے کہ حضرت ابو بکر باہر کے آدمی ہیں اور جناب فاطمہؑ دختر پیغمبرؐ ہیں۔ پیغمبرؐ کی حدیث کو جس طرح وہ جان سکتی ہیں دوسرا کوئی نہیں جان سکتا ہے۔

بہر حال امام جعفر صادقؑ سے ارتباط اور فقہ جعفریہ سے تمسک دونوں قسم کی "سیر علمی" کا نتیجہ ہے۔ تلاشِ علم میں اوپر سے چلیں تو امام جعفر صادقؑ اہل بیت کے فرد کی حیثیت سے نبی اکرمؐ کے مقرر کردہ مرجع مسلمین قرار پاتے ہیں اور تلاش ہدایت میں ادھر سے چلیں تو امام جعفرؑ باقی ائمہ مذاہب کے استاد نظر آتے ہیں اور استاد کے ہوتے ہوئے شاگرد پر اعتماد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

یہ امت اسلامیہ کی بد قسمتی ہے کہ ارباب حدیث نے ان خصوصیات کو دیکھتے ہوئے

بھی امام جعفر صادقؑ سے انحراف کیا اور امام بخاری نے عمران بن حطان خارجی کی روایت کو درج کرنے کے باوجود امام جعفرؑ کی روایت کو بخاری میں جگہ دینے کے قابل نہیں سمجھا۔ کیا یہ صریحی ظلم اور علمی خیانت نہیں ہے اور جب خواص ایسی خیانت کر سکتے ہیں تو عوام سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ تو اتنی بڑی کتابِ حدیث میں امامؑ کا نام بھی نہیں دیکھتے انھیں کیا معلوم کہ امامؑ کی شخصیت اور ان کی علمی جلالت کیا ہے۔

فقہ جعفری کے امتیازی مدارک

یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآن حکیم اور سنتِ پیغمبرؐ کو تمام امت اسلامیہ نے اپنی فقہ کے لیے مدرک قرار دیا ہے۔ اس کا انداز کچھ بھی رہا ہو اور تاویل و تشریح و تعبیر میں کتنی دھاندلی کی گئی ہو قرآن وحدیث کی سندی حیثیت کو چیلنج نہیں کیا گیا اور کسی نہ کسی شکل میں ان دونوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔

تسلیم کی آخری حد یہ ہے کہ دنیا کی ہر عیاری، مکاری سلاطین زمانہ کی ہر خیانت وجنایت کے لیے آیات قرآنی اور سنت پیغمبری کا سہارا لیا گیا ہے۔ تاریخ ملوک وسلاطین کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ سلاطینِ زمانہ نے کس طرح مذہب کا مذاق اُڑایا ہے اور درباری علماء نے کس طرح آیات و احادیث کی تعبیر و تفسیر میں مذہب کا ستیاناس کیا ہے۔

کبھی "لا تقربوا الصلوٰۃ" کو نماز سے روکنے کا ذریعہ بنایا گیا۔ کبھی "ویل للمصلین" کو نمازیوں کی مذمت کی دلیل قرار دیا گیا اور کبھی "اضعافاً مضاعفۃ" کو معمولی سود کے جواز میں پیش کیا گیا۔ غرض دنیا کی ہر مکاری وعیاری کے لیے قرآن حکیم کو سہارا بنایا گیا اور تاویل کے زور پر ۷۳ فرقے بنا ڈالے گئے۔ حکیم اُمت نے انھیں حالات کو دیکھ کر فریاد کی تھی:

"خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں"

قرآن وحدیث کے بعد جب تیسرے مدرک کا سوال اٹھا تو امتِ اسلامیہ نے اپنی جہالت کا علاج علم کے زور پر کیا اور اپنی عقل سے احکام دین وضع کرنا شروع کر دیے۔ جہاں ایک قانون نظر آیا وہاں اس کے جیسے دوسرے مواقع پر بھی وہی قانون نافذ کر دیا اور حکم الٰہی کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ حوصلہ اتنا بلند ہوا کہ رسولِ اکرمؐ کی حدیث پر بھی اپنے قیاس کو

مقدم کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ نے پیغمبر اکرمؐ کے اس ارشاد پر کہ "میدانِ جہاد کے مالِ غنیمت میں پیدل جہاد کرنے والے کا ایک حصہ ہے اور سوار کے دو حصے ہیں" ۔۔۔ یہ نوٹ لگا دیا کہ میں اپنی عقل سے اس حدیث اور اس قانون کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس قانون میں گھوڑے کا درجہ مسلمان کے برابر قرار دیا گیا ہے اور میں مسلمان کی ایسی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ یعنی پیغمبر اسلامؐ ایسی غلطی کر سکتے ہیں تو کریں میں ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔

یہ قیاس کی حدِ آخر ہے کہ اس نے مسلمانوں کے حوصلے اس قدر بلند کر دیے کہ احکام سازی میں قولِ خدا اور رسولؐ بھی پیچھے رہ گیا اور اُمت نے شریعت سازی کا کام شروع کر دیا۔ وہ اسلام جس نے پیغمبرؐ کو بھی شریعت کے حلال و حرام میں دخل دینے کا حق نہیں دیا تھا اور ان کا کام بھی صرف اتباعِ حکمِ خدا قرار دیا تھا۔ اس کے ماننے والے اُمت کے فقہا کے لیے اس حق کے بھی قائل ہو گئے۔ اور قیاس کی برکت سے ایک نیا اسلام معرضِ وجود میں آگیا۔ اور علامہ شبلی جیسے مورخین و محققین نے اسے خلیفۂ دوم کے احسانات و کرامات میں شمار کر لیا۔

امام جعفر صادقؑ اس صورت حال کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ آپ نے تحفظ دین اسلام کی خاطر ہر طرح کی زحمت برداشت کر کے اس قیاس کا مقابلہ کیا ۔۔۔ اور خود مکتبِ قیاس کے سربراہ ابو حنیفہ سے بارہا یہ فرمایا کہ خبردار شریعت میں قیاس نہ کرنا۔ قیاس ابلیس کا کام ہے۔ ابلیس کی گمراہی کا واحد راز یہ ہے کہ اس نے حکمِ خدا میں قیاس سے کام لیا اور آگ اور خاک کا جھگڑا اُٹھا کر حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ قیاس ایک ابلیسی حربہ ہے جو حکم خدا کی بربادی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن حکومتِ وقت کی امداد اور ہوسِ جاہ و منصب نے ان تمام ہدایات پر عمل نہ کرنے دیا اور بالآخر اسلام نذرِ قیاسات ہو گیا۔

امام جعفر صادقؑ نے جن جن مقامات پر ابو حنیفہ کو قیاسات سے روکا ہے اس کی مثالیں تاریخ میں یوں ملتی ہیں :

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ۔۔۔ اگر تم عقل سے احکام طے کر لیتے ہو تو ذرا اپنی عقل سے سوچ کر یہ بتاؤ کہ پروردگار نے آنکھ میں نمکینی زبان میں شیرینی اور کان میں تلخی کیوں رکھی

ہے؟ ابو حنیفہ نے سکوت اختیار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ جب تم اپنی خلقت کو نہیں سمجھ سکتے ہو تو اللہ کی شریعت کو کیا سمجھو گے۔ یاد رکھو کہ آنکھوں میں نمکینی اس لیے ہے کہ یہ چربی کا ڈبہ ہے، اس میں نمک نہ ہوتا تو پگھل جاتا۔ کانوں میں تلخی اس لیے ہے کہ جانور اندر جاکر زندگی کے درپے نہ ہو جائیں۔ زبان میں حلاوت اس لیے ہے کہ اشیا کا ذائقہ معلوم ہو سکے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ اچھا یہ بتاؤ وہ کون سی شے ہے جس کی ابتدا کفر ہے اور انتہا اسلام۔ امام ابو حنیفہ نے جواب سے معذوری ظاہر کی تو آپ نے فرمایا،

"بڑے افسوس کی بات ہے تمھیں کلمۂ اسلام کی بھی خبر نہیں ہے جس کا لا الٰہ کفر ہے اور الا اللہ اسلام ہے۔"

اس کے بعد فرمایا، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں ہرن کے سامنے کے چار دانت جنھیں رباعیہ کہتے ہیں، توڑ ڈالے تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟۔ ابو حنیفہ نے کہا، یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، تمھیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ہرن کے ایسے دانت ہوتے ہی نہیں ہیں۔

امام علیہ السلام نے اس موقع پر ایک سوال انسان کے بارے میں کیا۔ ایک حیوان کے بارے میں اور ایک ایمان کے بارے میں اور سربراہ رائے و قیاس تینوں سے عاجز رہے تو امامت نے آواز دی کہ جسے انسان حیوان اور ایمان کی خبر نہیں ہے اسے دین الٰہی میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ یاد رکھو! سنت میں قیاس کیا جائے تو دین بدنام ہو کر رہ جائے گا۔ خبردار! اسلام میں قیاس سے کام نہ لینا۔ اسلام دین الٰہی ہے اس میں بشری عقل کا دخل نہیں ہے۔

اس قسم کا ایک دوسرا واقعہ علامہ دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے قیاس کی تردید کرتے ہوئے چند مسائل کو از روئے قیاس حل کرنے کی دعوت دی۔

فرمایا کہ یہ بتاؤ قتل بڑا گناہ ہے یا زنا؟۔ ابو حنیفہ نے کہا قتل۔ فرمایا، پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں دو گواہ درکار ہیں اور زنا میں چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابو حنیفہ سے کوئی جواب نہ دیا جا سکا۔

پھر فرمایا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ نماز کی زیادہ اہمیت ہے یا روزہ کی ؟۔ عرض کی نماز زیادہ اہم ہے ۔ فرمایا، پھر کیا وجہ ہے کہ عورت ایام حیض میں نماز، روزہ دونوں چھوڑ دیتی ہے اور بعد میں روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے لیکن نماز کی قضا واجب نہیں ہوتی ہے۔ ابوحنیفہ نے سکوت اختیار کیا۔

فرمایا۔ بتاؤ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی ؟۔ عرض کی پیشاب کہ اسے دو مرتبہ دھونا پڑتا ہے ۔ فرمایا، پھر کیا وجہ ہے کہ پیشاب کے بعد صرف عضو کی طہارت کی جاتی ہے اور منی خارج ہونے کے بعد غسل کرنا پڑتا ہے ؟ ابوحنیفہ نے معذرت کی ۔ فرمایا، دیکھا تم نے کہ دین خدا میں قیاس کا کوئی امکان نہیں ہے ۔ یاد رکھو، یہ احکام بھی خلافِ عقل نہیں ہیں ۔ اسلام کا ہر قانون عقل کے مطابق ہے اگرچہ تمہاری عقل کی ایجاد اور پیداوار نہیں ہے ۔

قتل اور زنا کا فرق یہ ہے کہ زنا میں مجرم دو ہوتے ہیں اور قتل میں ایک ۔ اس لیے وہاں چار گواہ درکار ہیں اور یہاں صرف دو ۔

نماز اور روزہ کا فرق یہ ہے کہ روزہ سال میں ایک مہینے میں ترک ہوتا ہے اور نماز ہر مہینے میں ۔ پھر روزہ کی قضا میں کاروبارِ حیات پر اثر نہیں پڑتا ہے اور نماز کی قضا سے سارا کاروبار معطل ہو جاتا ہے اس لیے روزہ کی قضا واجب کر دی گئی ہے اور نماز کی قضا معاف کر دی گئی ۔

پیشاب اور منی میں فرق یہ ہے کہ پیشاب مثانہ سے خارج ہوتا ہے اس میں صرف عضو کی طہارت کافی ہے ۔ اور منی سارے جسم کی طاقت کا نچوڑ ہے جس کا مادہ ہر حصۂ جسم سے اخذ کیا جاتا ہے اس لیے اس میں غسل ضروری ہے ۔

امام علیہ السلام نے ابوحنیفہ کی ناواقفیت کے اظہار کے ساتھ اسلامی احکام کے ان مصالح کی طرف بھی اشارہ کر دیا جن کی طرف عام انسانوں کے عقل و شعور کی توجہ کے امکانات نہ تھے اور آخری جواب میں یہ بھی واضح کر دیا کہ جب منی سارے جسم کے نچوڑ کا نام ہے تو انسان کا فرض ہے کہ عورت سے جنسی تعلقات قائم کرتے وقت اس نکتہ کو ذہن میں رکھے اور جسم کے کسی حصے کو بھی کسی اور کام میں مصروف نہ ہونے دے ورنہ اُس طرف سے آنے والی طاقت کمزور ہو جائے گی اور اس کا اثر آنے والی نسل پر پڑے گا ۔ ماں باپ کی ایک لمحہ کی غلطی اولاد کے لیے پوری زندگی کا مسئلہ بن جائے گی ۔

یاد رہے کہ بعض علماء نے مذکورہ بالا واقعہ کو امام محمد باقرؑ کے حالات میں لکھا ہے لیکن مجھے اس موضوع سے کوئی بحث نہیں ہے میرا مقصد تو صرف یہ گزارش کرنا ہے کہ دینِ الٰہی میں عقلِ بشر کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ مسلمان کا کام احکام پر عمل کرنا ہے احکام بنانا نہیں ہے۔ احکام کے سلسلے میں پروردگار نے رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے ذریعہ دین کو کامل کر دیا ہے اور اب کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل اسلام کے دامن میں نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ علماء تشیع نے آج تک قیاس کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا اور استنباطِ احکام میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ ان کے پاس اہلبیت طاہرینؑ کے ارشادات کا ذخیرہ موجودہ ہے اور اہلبیتؑ اس دور میں بھی تھے جب مرسل اعظمؐ کے بعد نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے تھے اور انھوں نے سارے مسائل کا حل بیان کر دیا ہے اب کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا حل ارشادات معصومینؑ میں موجود نہ ہو۔

تمسک دامن اہلبیتؑ ہی کا نتیجہ ہے کہ علماء امامیہ کو قیاس و استحسان جیسے مدارک کی ضرورت نہیں پڑی اور انھوں نے ساری زندگی احکام الٰہیہ کے سایہ میں گزار دی ہے۔

فقہ جعفری اور عقل

اس مقام پر یہ توہم نہ ہو کہ اسلام دینِ عقل ہے تو فقہ جعفری نے عقل کی اس قدر شدید مخالفت کیوں کی ہے۔ فقہ جعفری نے عقل کی مخالفت نہیں کی ہے۔ اس کو اپنے دائرہ میں رکھا ہے۔ دینِ جعفری میں اصولِ دین کا پورا کاروبار عقل ہی کے حوالے ہے۔ توحید سے لے کر قیامت تک کا عقیدہ عقل کے ذمہ ہے اور ہر مقام پر عقل ہی کو فیصلہ کرنا ہے۔ اس محاذ پر نبیؐ اور امامؑ کو بھی بولنے کا حق نہیں ہے وہ صرف راہ نمائی کر سکتے ہیں حکومت نہیں کر سکتے یہ میدان عقل کا میدان ہے اور کسی شخص کو دوسرے کے میدان میں قدم رکھنے کا حق نہیں ہے جس طرح کہ شریعت کا میدان نبیؐ اور امامؑ کا میدان ہے اس میں عقل دخل اندازی نہیں کر سکتی ہے۔

شریعت میں عقل کا کام فقط احکام کا تلاش کرنا اور اس کی تعمیل کے راستے ہموار کرنا ہے اور بس۔ احکام بنانا اس کا کام نہیں ہے ورنہ عقل اس اہم کام کو انجام دے سکتی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ان کے اوصیاء اور اتنی کتابوں اور صحیفوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ ہر شخص اپنی

عقل کے مطابق اپنی زندگی کا قانون مرتب کرلیتا اور اس کے مطابق زندگی گزار لیتا جس طرح کہ دنیا کے دوسرے نظاموں میں یہی صورت حال ہے کہ انسان ہی قانون بناتے ہیں اور انسان ہی عمل کرتے ہیں۔ مذہب اور دنیاوی نظام کا فرق ہی یہ ہے کہ مذہب کا قانون آسمان سے آتا ہے اور دنیا کا قانون انسان بناتے ہیں اب اگر مذہب کی قانون سازی بھی انسانوں کے حوالے کردی گئی تو مذہب کا نام مذہب کیوں رہ جائے گا اس کا شمار بھی دنیا کے دوسرے عام قوانین میں ہوجائے گا۔

فقہ جعفری میں عقل بڑی اہمیت رکھتی ہے لیکن اس کا کام تعمیل احکام کی راہیں ہموار کرنا ہے احکام سازی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر شریعت میں وجوب یا حرمت کا قانون نہ مل سکے تو آزادی کا فیصلہ عقل ہی کرے گی اور یہ کہے گی کہ اب آپ پر عمل کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اگر شریعت میں یہ چیز واجب یا حرام ہوتی تو اس کے بیان کی ذمہ داری صاحب شریعت پر ہوتی اور صاحب شریعت کے بیان نہ کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ شے واجب یا حرام نہیں ہے اور اب آپ کو مکمل اختیار ہے کہ جس کے واجب ہونے کا شبہ ہو رہا ہے اسے ترک کردیں اور جس کے حرام ہونے کا شبہ ہے اسے اختیار کرلیں۔

اسی طرح اگر قانون شریعت میں اجمالی طور سے معلوم ہوجائے کہ سفر کی ایک منزل پر پہونچنے کے بعد نماز بہر حال واجب رہتی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ اس منزل پر نماز قصر ہوجاتی ہے یا نہیں۔ تو یہ فیصلہ عقل ہی کرے گی کہ ایسے مقامات پر دونوں طرح کی نمازیں پڑھنا چاہئیں تاکہ یہ یقین ہوجائے کہ جو ذمہ داری ہمارے سر آئی تھی ادا ہوگئی اور اب کوئی فریضہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔

قانون کی منزل میں شریعت سند ہے اور تعمیل کی منزل میں عقل۔ حکم دینا شریعت کا کام ہے اور عمل کی راہیں ہموار کرنا عقل کا کام ہے۔ اہل قیاس نے اس فرق کو محسوس نہیں کیا اور انھوں نے شریعت میں بھی عقل کی دخل اندازی کو مباح کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوانین شریعت تماشا بننے لگے اور ہر شخص اپنی عقل، اپنی فکر اور اپنے خیال کے مطابق شریعت میں تحریف و ترمیم کرنے لگا۔

فقہ جعفری کی حقیقت

فقہ جعفری کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل نکات کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے اس کے بغیر اس فقہ

کا امتیاز اور اس کی عظمت سمجھ میں نہیں آسکتی ہے۔

۱۔ فقہ جعفری صرف امام جعفر صادقؑ کی فقہ نہیں بلکہ تمام اہلبیت کرامؑ کے احکام کا مجموعہ ہے۔

۲۔ اس فقہ کے اعلم، امام جعفر صادقؑ ائمہ مذاہب کی طرح مجتہد نہیں تھے بلکہ پروردگار کی طرف سے احکام واقعی کے بیان کرنے والے تھے۔

۳۔ اہلبیت کرامؑ سے تمسک صرف ان کی ذاتی صلاحیت کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ حکم رسول اکرمؐ کی بنا پر ہوتا ہے جس نے اس تمسک میں نجات کی ذمہ داری لی ہے۔

۴۔ امام جعفر صادقؑ حضرت مالک و ابو حنیفہ کے استاد تھے اور استاد کی فقہ کے ہوتے ہوئے شاگرد سے تمسک کرنا خلاف عقل و انصاف ہے۔

۵۔ فقہ جعفری کا مدرک قرآن حکیم، سیرت پیغمبر اور ارشادات اہلبیتؑ طاہرین ہیں جنھیں قرآن کے ساتھ مفسر قرآن بنا کر پیغمبر اسلام چھوڑ گئے۔

۶۔ فقہ جعفری میں قیاس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۷۔ فقہ جعفری میں عقل کا کام تعمیل احکام کی راہیں تلاش کرنا ہے، احکام سازی نہیں ہے۔

۸۔ ائمہ معصومینؑ نے ہر دور میں حکومت الٰہیہ کے قیام کی کوشش کی ہے اور اس وقت تک خاموش نہیں ہوئے جب تک کہ اس عمل کو ناممکن یا عارضی طور پر نامناسب نہیں خیال کیا۔

۹۔ فقہ جعفری میں قیاس کی ضرورت اس لیے نہیں پڑتی کہ نبی اکرمؐ کے بعد نئے مسائل پیدا ہوئے تو حل کرنے والے اہلبیت طاہرینؑ موجود تھے اور وہ گھر کے حالات سے بہتر طور پر واقف تھے۔

۱۰۔ فقہ جعفری کے اہم مدارک میں حدیث کے چار مجموعے ہیں:

۱۔ کافی محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ ——— ۱۶۱۹۰ حدیثیں

۲۔ مَن لایحضرہ الفقیہ۔ محمد بن علی بابویہ متوفی ۳۸۱ھ ——— ۵۹۶۳ حدیثیں

۳۔ تہذیب۔ محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۴۶۰ھ ——— ۱۳۵۹۰ حدیثیں

۴۔ استبصار۔ محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۴۶۰ھ ——— ۵۵۱۱ حدیثیں

اس کے علاوہ احادیث کے اور مجموعے بھی ہیں جن کے ہوتے ہوئے جدید ترین مسائل میں بھی قیاس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، قیاس کی ضرورت ان مسلمانوں کو پڑتی ہے جن کے صحاح ستہ

ین سے مکرر احادیث نکال دینے کے بعد صحیح مسلم میں چار ہزار کے قریب اور صحیح بخاری میں اس سے بھی کم حدیثیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنے مختصر مجموعے سے اتنے اہم مسائل حل نہیں کیے جاسکتے اور پھر اگر ان میں سے بھی ضعیف اور غیر معتبر روایتیں الگ کر دی جائیں تو شریعت کی دنیا میں قیاس کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

فقہ جعفری اور ہم

فقہ جعفری کے خصوصیات، امتیازات اور اس کی حقانیت و برتری کا جائزہ لینے کے بعد ایک نظر اپنے حال زار پر ڈالنا بھی ضروری ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ جس فقہ جعفری کی بقاء کے لیے ہم نے قربانیاں دی ہیں اور جس کی نسبت سے قوموں کے درمیان ہم نے اپنا امتیاز قائم کیا ہے۔ اس سے ہمارا رشتہ کیا ہے۔؟

یاد رکھیے فقہ قانون بندگی و زندگی کا نام ہے۔ فقہ رضائے الٰہی کی تحصیل کا ذریعہ ہے۔ فقہ انسانی زندگی کا نظام ہے۔ کوئی انسان اپنی اسلامی زندگی علم فقہ کے بغیر نہیں گذار سکتا ہے اور کسی شخص کے لیے رضائے الٰہی کی تحصیل فقہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تو کیا ہم اپنی پوری زندگی کا جائزہ لے کر بتاسکتے ہیں کہ ہم نے دین کے حلال و حرام، واجب و مستحب، جائز و ناجائز، طاہر و نجس کو دریافت کرنے کے لیے زندگی کا کتنا وقت صرف کیا ہے اور اس راہ میں کتنا سرمایہ خرچ کیا ہے؟!

فقہ جعفری ہم سے دعوت و اجتماع اور جلسہ و جلوس کا مطالبہ نہیں کرتی۔ احکام خدا کے مطابق زندگی گذارنے کا مطالبہ کرتی ہے اور اس سلسلے میں ہماری کارکردگی صفر کے برابر ہے۔ ہم نے گھر کی تعمیر، فرنیچر کی فراہمی، دیواروں کے رنگ و روغن، عورتوں کے زیورات، راحت پسند زندگی، ریڈیو، ٹی۔وی، وی۔سی۔آر جیسے مہملات پر لاکھوں کا سرمایہ خرچ کیا ہے اور کسی ایک عالم کو بٹھا کر اپنی عبادات کی تصحیح، اپنے اعمال کی صحت کے لیے دس روپے بھی خرچ نہیں کیے ہیں۔ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مدرس معین کرنے کا تصور بھی نہیں کیا ہے اور اگر کبھی سوچا ہے تو صرف یہ کہ بچوں کو قرآن شریف اور دینیات کی پہلی کتاب پڑھا دی جائے، فقہ آل محمدؐ کا حق ادا ہو جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دین کے جملہ عبادات، معاملات، تجارت، زراعت و ملازمت، سیاست،

اقتصادیات، اجتماعیات، اخلاقیات سب دینیات کی پہلی کتاب میں موجود ہیں۔ یا دین آلِ محمدؐ صرف آٹھ ورق کی کتاب کا نام ہے کہ ہر شخص اپنے بچّوں کو ایک کتاب پڑھا کر خوش ہو گیا کہ اس نے فقہ جعفری کا حق ادا کر دیا ہے اور دس پیسے میں جنّت خرید لی ہے جیسا کہ خود اپنے بارے میں سوچا ہے کہ اصولِ دین اور فروعِ دین کو زبانی یاد کر لیا اور فقہ آلِ محمدؐ کا حق ادا ہو گیا۔

یاد رکھیے ہماری ساری زندگی مہمل، بے کار اور بے مصرف ہے۔ اگر ہم نے زندگی کے ایک ایک قدم کے لیے قانونِ شریعت دریافت نہیں کیا اور اس کے مطابق زندگی نہیں گذاری۔

صادقِ آلِ محمدؐ کی نظر میں دینی احکام کا معلوم کرنا اس قدر اہم ہے کہ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص میرے اصحاب کو کوڑے مار کر انھیں علم دین حاصل کرنے پر آمادہ کرے تو مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ مجھے بے خبر اور بے عمل قسم کے چاہنے والے درکار نہیں ہیں، مجھے مولا اور آقا کہنے والوں کی ضرورت نہیں ہے مجھے باعمل مخلصین درکار ہیں اور صاحبانِ معرفت اصحاب۔

علامہ طبرسیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ امام زمانہؑ کے ظہور کے بعد حضرت جو طرزِ حکومت اختیار فرمائیں گے اس کا انداز یہ ہوگا کہ اگر کوئی بیس سال کا جوان علم دین اور احکام شریعت سے بے خبر پایا گیا تو اسے فی الفور تہ تیغ کر دیں گے۔ اس وقت مدرسہ قائم کر کے پڑھانے کا سلسلہ نہ ہوگا بلکہ بے خبری کی سزا کا سلسلہ قائم ہوگا۔ زمانۂ غیبت زمانۂ مہلت ہے جسے ہوش میں آنا ہے وہ آجائے۔ اس کے بعد انجام بہت خراب ہے۔ انھیں اس بات کی فکر نہ ہوگی کہ ہم انھیں کیا کہتے ہیں اور کیا مانتے ہیں۔ انھیں صرف اس بات کی فکر ہے کہ ان کے دین، مذہب، مقصد اور احکام کے ساتھ ہمارا سلوک کیا ہے اور ان کی فقہ کو ہم نے کس قدر دریافت کیا ہے اور کس طرح عمل کیا ہے۔ ہمارے نوجوان جو صبح سے شام تک اپنے خیال میں مولاؑ کے خوش کرنے کا انتظام کرتے ہیں اور طریقۂ وضو و غسل اور اندازِ نماز سے بھی باخبر نہیں ہیں۔ کیا یہ نہیں سوچتے کہ آنے والا خوشامد پسند اور شہنشاہ نہیں ہے وہ دین کا ذمہ دار ہے۔ اسے نام کی فکر نہیں ہے کام کی فکر ہے۔ وہ خود مختار نہیں ہے بندۂ پروردگار ہے کیا یہ نوجوان اس ذوالفقارِ حیدری کا احساس نہیں رکھتے جو امامؑ کے ساتھ ایسے تمام بے خبر اور بے عمل افراد کا فیصلہ کرنے آرہی ہے۔

عزیزو! موقع غنیمت ہے۔ وقت باقی ہے۔ غیبت کے زمانہ کو اک مہلت کا زمانہ تصوّر

کرو اور اپنے دین کا علم حاصل کرو، اپنی نسل کو ان کا دین سکھاؤ۔ راحت طلب زندگی کا اثاثہ فروخت کر کے علم دین پر صرف کرو۔ قبر میں صوفہ سیٹ، زیورات اور ٹی۔وی نہیں جائے گا۔ قبر میں علم دین ہی کام آئے گا۔ مرکری لائٹ یہاں کے لیے ہے وہاں کے لیے صرف احکام دین کی روشنی کام آنے والی ہے۔

ربِ کریم سے التماس ہے کہ ہمیں اور ہماری بے خبر اور بے عمل قوم کو علم و عمل کی توفیق عنایت فرمائے اور ہمیں یہ موقع عطا کرے کہ ہم امام عصرؑ کی ذوالفقار سے قتل ہونے کے بجائے ان کے انصار میں شامل ہو جائیں۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھُدیٰ۔
